175

اسعد گیلانی

پکار

ادارۂ ادبِ اسلامی ○ سرگودھا

Marfat.com

۲۹۷۰۴
پیا ۳۸۷۱
۱۷۹۲۱
DATA ENTERED

پہلی بار:- ۱۹۶۳ء
ناشر:- ادارہ ادبِ اسلامی، سرگودھا
طابع:- ثنائی پریس سرگودھا

بھارت میں
ہماری مطبوعات مکتبہ تجلّی، دیوبند، یو۔پی،
سے مِل سکتی ہے

قیمت:- ۱/۰۰ روپیہ

کتابت:- سید کلب عباس تمکین رقم سرگودھا

ترتیب

حرفِ اوّل	۷
اصلاحی تحریک	۸
چاند کا سلام	۱۰
لاشوں کے انبار	۱۶
زندگی کا تقاضا	۱۹
آزادی کا ماتم	۲۲
راکھ کے ڈھیر	۳۳
پکار	۳۹
فریاد	۴۲
ایک بزرگ فرماتے ہیں	۴۹
مولوی اور مسلمان	۵۶
جیل کے نام	۵۸
یوم عالمِ اسلام	۶۲
یہ مینا بازار ہے	۶۷
جدید اسلام	۷۱
ایک مقدمہ	۸۲
اجنبی کی آمد	۸۵
میرا دل چاہتا ہے۔	۹۰

Marfat.com

Marfat.com

حرفِ اوّل

میرے ان مضامین کا مجموعہ بھی اسلامی ادب کی اس صنف سے تعلق رکھتا ہے۔ جسے تحریکی ادب کہتے ہیں۔ ادب کی یہ قسم ہلکے پھلکے انداز میں مقصدِ زندگی کو زندہ و پائندہ رکھنے اور تابندہ تر کرنے کے کام آتی ہے۔ میرے تحریکی مضامین کے پہلے دو مجموعے "تصویریں" اور "انتظار" بھی اسی ادبی صنف کے نقوش ہیں۔ ان مضامین میں فہم و شعور کے ساتھ ساتھ ایک جذبۂ فراواں رواں دواں رہتا ہے۔ جو قافلے کے لئے حُدی کا کام کرتا ہے۔ یہ مضامین رفقاءِ سفر کے جذبات کے لئے ولولہ اور رفتارِ سفر کے لئے مہمیز کا کام دے جائیں تو ان کا مقصدِ تحریر پورا ہو جاتا ہے۔ بس اسی مقصد کے لئے یہ مضامین تحریر اور مرتّب کئے گئے ہیں۔ ان مضامین کا بیشتر حصّہ ہفت روزہ "جہانِ نو" کراچی میں سنہ ۴۹ء اور سنہ ۶۳ء کے درمیان شائع ہوتا رہا ہے اور مناسب نظرِ ثانی کے بعد اس مجموعہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔ ان کی فراہمی اور ترتیب میں رفیع الدّین ہاشمی، ظفر علی طاہر، شاہ عبدالحق اور دوسرے جن اسلام پسند نوجوانوں نے میرا ہاتھ بٹایا ہے میں ان سب کا ممنون ہوں۔ ان کا اجر نیّت اور محنت کے مطابق ان کے اللہ کے ذمّے ہے۔

اسعد گیلانی
یکم اکتوبر ۶۳

دارالرحمت سرگودھا

Marfat.com

اِسلامی تحریک

اس نام سے ہے باقی آرام جاں ہمارا

حضورؐ کا نام آتے ہی مکہ کی گلیاں اور مدینہ کے وہ ایام نگاہوں میں پھرنے لگتے ہیں جب حضورؐ دینِ حق کی کامیابی کے لئے وہاں اپنے شب و روز اللہ کی راہ میں لگا رہے تھے۔ آدمی کا دل چاہتا ہے کہ کاش اس وقت میں بھی موجود ہوتا اس وقت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوتا۔ اس وقت حضورؐ کے ارشادات اور اشاروں پر جان لڑائی ہوتی۔ اور حضورؐ کے قدموں پر جان دے دی ہوتی۔

لیکن جب خیال آتا ہے کہ صدیوں سے وہ دینِ جسے حضورؐ نے سربلند اور قائم کیا تھا دنیا پر غالب نہیں رہا ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ زمانہ ہم سے پھر وہی مطالبہ کر رہا ہے جو اس نے حضورؐ اور آپ کے محترم ساتھیوں سے کیا تھا۔ اور اس مطالبہ کا جواب ہمارے ذمہ اس وقت اسی طرح ہے جس طرح انہوں نے اس وقت دیا تھا۔ اس سے دل میں ایک پرُخروش اضطراب اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور دل چاہتا ہے کہ اسلام کی سربلندی اور اقامت کے لئے اپنا سب کچھ لگا دیا جائے اسی سے دل کو سکون اور ٹھنڈک نصیب ہو سکتی ہے۔ پھر وہ ماحول سامنے آتا ہے جو تمام تر مشکلات کا ماحول تھا اور اس سے ایمان اور نفاق کا فرق سمجھ میں

Marfat.com

آنے لگتا ہے۔ اسی سے غزوات اور معرکوں کا مفہوم واضح ہوتا ہے اور اسی سے دشمنِ دین اور خادمِ دین قوتوں کا کردار سامنے آتا ہے۔ غرض زمانے کے بدل جانے کے باوجود اس وقت کے ماحول اور مشکلات کے مختلف مراحل ایک ایک کر کے جب سامنے آتے ہیں تو افسوس ہوتا ہے کہ یہ کام مدتوں سے التوا میں کیوں پڑا ہوا ہے۔

آج زمانے میں اگر اسلام کا نام ہے تو حضورؐ کے عظیم ترین کردار کی لوح پر کندہ ہونے کے سبب سے ہے اور جس کو اسلام کی خدمت کرنا ہو اسے اس کردار کی مخلصانہ پیروی کئے بغیر بالکل چارہ نہیں ہے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

Marfat.com

چاند کا سلام

یہ چاند مدت سے ہمیں دیکھتا آیا تھا کہ ہم نے کفر اور جاہلیت کے سامنے ڈگیں ڈال دی ہیں اور اس کے تصرف میں اپنے آپ کو دیدیا ہے۔ یہ چاند ہر سال آتا رہا اور ہمیں اسی مجبوری، بے بسی، لاچاری اور کس مپرسی کی حالت میں دیکھتا رہا۔ ہر سال وہ قدرت کی طرف سے تازہ روشنی کے تحفے لیکر آتا رہا اور ہر سال ہم سب بے چارگی کا باسی سلام اس کے سامنے پیش کر دیتے رہے۔ ہر سال اس نے نئی امیدوں اور نئے حوصلوں سے افق کے پاس سے ہماری طرف جھانک کر عید کا سلام ہمیں دیا اور ہر سال ہم نے یہ کہہ کر اسے مایوس کر دیا کہ "تیرے اللہ کے بندے مایوس و مجبور ہیں۔ اور ان کے پاس کوئی ایسی سرزمین نہیں جہاں وہ اپنے رب کا دین قائم کر سکیں" ہر سال وہ امید بھری نظروں سے تکتا ہوا آیا اور ہر سال مایوس اور زرد چہرہ لیے ہوئے وہ لوٹ گیا۔ ہم مدتوں اس سے خاموش وعدے کرتے رہے اور وہ مدتوں ہم سے خاموش تقاضے کرتا رہا۔

لیکن اب وہ ہمیں بے بس و مجبور دیکھنے نہیں آتا۔ ہم نے وہ بندِ غلامی توڑ ڈالے ہیں۔ جو ہمیں اپنے رب سے کٹے ہوئے وعدوں سے فرار کی راہیں دکھا یا کرتے تھے۔ ہم کہا کرتے تھے "آہ وہ خطۂ زمین کہاں ہے جس میں ہم اکثریت

کے خوف سے بے خوف ہوکر اور جابر فرنگی کے جبر سے آزاد ہوکر اللہ کے دین کو سر بلند کریں۔ اللہ کا دین اور رسولؐ کا پاکیزہ اسوہ ہماری ہر ارہمت افزا ئیاں کرتا تھا لیکن ہم کسی نئے خطۂ زمین کی آرزو میں صرف افق پر نظریں جمائے رکھنے کے ہی عادی ہو گئے تھے۔ ایک محبوب خطۂ زمین جہاں خدا کا قانون اپنی تمام برکتوں کے ساتھ انسانوں پر نافذ ہو۔ جہاں مسلمانوں کی زندگی کا سارا اثاثہ رضائے الہٰی کا حصول ہو۔ جہاں امن اور سلامتی ہو۔ جہاں عدل اور انصاف ہو۔ جہاں اخلاق اور سر بلندی ہو۔ جہاں پاکیزگی اور طہارت ہو، جہاں صداقت اور وعدہ وفائی ہو۔ جہاں رحمدلی اور خدا ترسی ہو۔ جہاں یتیم بے یار و مددگار نہ ہوں۔ جہاں بیوہ کو بھوک اور بے آبروئی کا اندیشہ نہ ہو، جہاں ضعیف کو حکومت کی لاٹھی کا سہارا ہو۔ جہاں طہارتِ نفس کی خوشگوار بادِ بہاری چلے۔ جہاں خوش خلقی اور خدا خوفی کی خوشبوؤں سے فضائیں مہکی مہکی رہیں۔ جہاں پاسِ عہد، اور احترامِ انسانیت سے دھوپ میں خنکی ہو۔ جہاں رحم اور باہمی ہمدردی کی گرمجوشی ہو، جہاں کمزوروں میں سورج کا سا وقار ہو۔ اور طاقتوروں میں چاند کی سی شفقت ہو۔ دُور افق کے پار مسلمانوں نے ان خوابوں کو دیکھا تھا۔ ایک ایسا خطۂ زمین جو پاک ہو اور جس کی فضاؤں میں صرف لا الٰہ کی گونج ہو، متحد ہو کر یک زبان ہو کر سُود و زیاں سے بے نیاز ہو کر، اگر دو پیش سے بے پرواہ ہو کر، آغاز و انجام سے بلند ہو کر، اور ابتدا و انتہا سے بے خبر ہو کر سب نے چاہا تھا، اور آہ کہ یہ چاہنے کے لئے انہیں بہت سے چاہنے والوں کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھنا پڑا، وہ جن کی ہر راحت انہیں عزیز تھی۔ ان کی لاشوں پر سے انہیں گزرنا پڑا۔ وہ جن کی

رفاقت انہیں محبوب تھی انہیں موت کے ہمراہ رخصت کرنا پڑا۔ وہ جن کی باتیں انہیں بے حد محبوب تھیں انہیں موت کی بھیانک خاموشیوں میں اپنے ہاتھوں دھکیلنا پڑا۔ اور پھر انہوں نے وہ خطۂ امید پالیا جسکی تمنائیں اور جس کے لئے دعائیں ان کا شب و روز کا مشغلہ بن گیا تھا جس کے لئے وہ اپنے ایمان کے تقاضوں کو ملتوی کئے بیٹھے تھے۔ جس کے لئے وہ اپنے بڑے بڑے محبوبوں سے دست و گریبان ہوئے تھے۔ جس کے لئے انہوں نے اپنے بڑے بڑے معززوں کی پگڑیاں اچھال دی تھیں۔ جس کے لئے انہوں نے کیا کچھ نہ کیا تھا۔ کیا کچھ نہ دیا تھا۔

آج وہ اسی پر تمنا خطے میں ہیں جس کا مطلب وہ لا الٰہ بتایا کرتے تھے۔ اور یہ چاند اب انہیں ان کے نئے گھر میں دیکھنے آتا ہے۔ یہ چاند اب انہیں ان کے امیدوں کے محل میں مبارکباد کہنے کے لئے آتا ہے اور ساتھ ہی ان وعدوں کی فہرست بھی ہمراہ لاتا ہے جو انہوں نے اپنے رب سے بار بار کئے اور انہیں زمانے کے سینے پر کندہ کر دیا تھا جو انہوں نے وقت کی لوح پر اپنی اجتماعی آواز کے قلم سے لکھ دیئے تھے۔ یہ چاند انہیں وعدوں کی فہرست لے کر ان مسلمانوں کے پاس اب بھی ہر سال آتا رہتا ہے۔

اس سرزمین کا ایک ایک گھر اس پیغام سے آشنا ہے۔ سینے میں دھڑکنے والا ہر دل اس پیغام کی آواز کو اپنی دھڑکنوں میں سمویا ہوا محسوس کرتا ہے۔ اس سرزمین پر رہنے والا ہر ذی روح خون کے ان دریاؤں کے رخ دیکھ چکا ہے۔ ان کی لہریں گن چکا ہے۔ ان طوفانوں کی گونج سن چکا ہے۔ ان زلزلوں کی گڑگڑاہٹ

Marfat.com

محسوس کر چکا ہے۔ ان قیامتوں کی تباہی سے آشنا ہے۔ جو اس پر اس سرزمین کے حصول کے لئے برپا کئے گئے تھے۔ لیکن اس نے اپنے عزم کے فولاد سے ہر دکھ کا منہ موڑ دیا تھا۔ لیکن آج تک وہ اپنے اس خطۂ امید میں ان خوابوں کی تعبیر سے ناآشنا ہے جو اس نے ان تباہیوں کے اس پار دیکھے تھے۔ جو اس نے افق کے کناروں پر، تمناؤں کی وادیوں میں روشن سایوں کی طرح جھلملاتے ہوئے پائے تھے۔ آخر آج وہ عید کے اس چاند کو کس نئے عذر سے ٹال سکتا ہے؟۔ کیا اب یہ چاند زمانے کے سینے پر مسلمان کی نامسلمانی کی مہر ثبت کر دے گا؟ کیا اسے اب بھی مایوس ہی لوٹنا ہو گا؟ کیا اسے اس بات پر گواہی دینے پر مجبور کر دیا جائے گا کہ مسلمان اپنے رب سے باغی ہو چکا اور اس نے لاالہٰ کی سرزمین میں نئے لات و ہُبل تراش لئے ہیں؟۔ آہ یہ تصور کتنا دلخراش ہے کہ اس تصور سے ہی زندگی کی نبضیں ڈوبنے لگتی ہیں۔

یہ چاند عید کا یہ آبدار خنجر، تو انہیں سپاہیوں کو مبارک باد دیتا ہے جو یہ عزم رکھتے ہوں کہ وہ اس ملک میں جو اسلام کے نام پر مسلمان کے خون سے خریدا گیا تھا اور بہت گراں خریدا گیا تھا۔ اسلام کا اقتدار قائم کریں گے۔ یہ خنجر تو انہیں کی پیٹیوں میں زیب دیتا ہے جو کفر کو کلیتہً ختم کرنے کے لیے ہتھیار بند ہو گئے ہوں۔ جنہوں نے عزم کر لیا ہو کہ جیسے انہوں نے باہر کے بو جہلوں اور بولہبوں سے نجات حاصل کی تھی ویسے ہی گھر کے منافقوں اور مفسدوں سے بھی نجات حاصل کریں گے۔ ان کا یہ فرض ہے کہ اس چاند کو مایوس نہ ہونے دیں۔

عید کا یہ چاند دیکھتا ہے کہ یہ ملک بھی غیر منقسم کافر ملک کی طرح ویسے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہے۔ عریانی و مے خواری و افلاس کے نظارے ویسے ہی بلکہ اس سے بڑھ کر یہاں بھی عام ہیں۔ اسلام ویسے ہی یہاں بھی مجبور و بیچارہ بے وقار ہے۔ ظلم و جور اور کفر ویسے ہی یہاں بھی برسر اقتدار ہے۔ یہ حیران ہو ہو کر جھک جھک کر دیکھتا ہے کہ کیا یہ وہی خطہ ہے جسے دیکھنے کے شوق میں وہ وارفتہ ہو گیا تھا۔ جس کے متعلق اس نے اپنے ہم نشینوں سے بہت بہت سرگوشیاں کی تھیں۔ اور جس کا چرچا اس نے بزم انجم میں جا بجا کر رکھا تھا۔ اور جسے اس نے خطۂ رحمت کا نام دینے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ کیا یہ وہی ملک ہے! اس کے لئے تو اسے پہچاننا بھی بہت مشکل ہو رہا تھا۔

وہ جھک جھک کر دیکھتا ہے لیکن اس جستجو کا کوئی نشانِ امید اسے یہاں موجود نظر نہیں آتا۔ اس کی تلاش کا یہاں کوئی حریف نہیں ہے۔ اس کی سرگوشیوں کا کوئی جواب دینے والا نہیں۔ اس کے سلام بے جواب واپس چلے جاتے ہیں۔ اس ملک میں کتنے ہیں جو اس کے خاموش سلاموں کا مفہوم سمجھتے ہوں اور کتنے ہیں جو اس کے سلام کا جواب دینے کی ہمت رکھتے ہوں۔ کتنے ہیں جو اس خدا کا قانون اس ملک میں جاری کرنے کے لئے کوشاں ہوں۔ جس کی وہ ایک نشانی ہے۔ کتنے ہیں جنہوں نے اس کشتی میں قدم رکھ دیا ہے۔ جو عزم و استقلال کے بادبانوں سے ہر اس طوفان کو نیچا دکھانے کا حوصلہ رکھتی ہے جو راہِ حق میں رکاوٹ بننے کے لئے سامنے آئے۔

یہ چاند جھک جھک کر انہیں سلام کہہ رہا ہے۔ جنہوں نے خدا کی راہ

Marfat.com

ہیں قدم اٹھا دیا ہے۔ جنہوں نے خدا کی رضا کے سامنے اپنی سپر ڈال دی ہے۔ جنہوں نے طاغوتِ وقت سے لڑ جانے کے لئے کمریں کس لی ہیں جنہوں نے ہر فرعون اور ہر نمرود سے کہہ دیا ہے کہ حق آ رہا ہے اور باطل جا رہا ہے اور باطل جانے ہی کی چیز ہے۔ یہ دیکھ کر کہ یہ زمین ایسے مجاہدوں سے خالی نہیں ہے مسرت سے اس کا چہرہ چمک اٹھا ہے۔ رضائے الٰہی کے حصول کے لئے جو اپنا سب کچھ لگا دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔ وہی ہیں جو اس کے سلام کا جواب دینے کی ہمت رکھتے ہیں۔

عید کا یہ چاند ایسے ہر مجاہد کو سلام کہتا ہے۔

Marfat.com

لاشوں کے انبار

اے لوگو تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم سب کچھ دیکھتے ہو اور خاموش رہتے ہو۔ کچھ لوگ آئے اور انہوں نے کہا تمہارا اسلام خطرے میں ہے آؤ ہماری طرف کہ ہم تمہیں ایک جنت میں لے چلیں۔ جہاں ایمان کے باغات ہوں گے۔ دیانت اور عدل کے پھل ہوں گے اور اطاعتِ خداوندی کے زعفران سے ساری فضا مہک رہی ہو گی۔ تم ان کے پیچھے یوں لپک گئے جیسے ایک پالتو گھوڑا اپنے مالک کے ہاتھ میں ہری گھاس کی چند پتیاں دیکھ کر لپک پڑتا ہے۔

اے لوگو یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا تمہاری عقلوں اور بصیرتوں کو دیمک لگ گئی ہے۔

تم نے یہ دیکھنے کی بھی کوشش نہ کی کہ اپنی طرف بلانے والوں کے پھول کاغذی تھے۔ وہ خوبصورت تھے لیکن ان میں وفاداری اور ایفائے عہد کی خوشبو نہ تھی۔ ان کے اپنے طور و اطوار میں اسلام کے خادموں کا نہیں بلکہ کفر کے پیروؤں کا رنگ تھا۔ ان کی سیرت کی کھیتی میں ایمان کی زعفران نہ تھی۔ ان کے اخلاق کے باغیچوں میں اطاعت خداوندی کا ایک پودا بھی نہ تھا۔

اے لوگو یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے یہ سب کچھ دیکھا اور پھر بھی اپنی

Marfat.com

گردنیں ان کے ہاتھوں میں دے دیں اور چپ چاپ ان کے اقتدار کی گاڑی میں جُت گئے۔

یہ تم کہاں بھٹکے چلے جا رہے ہو۔

تم نے جن لوگوں کے وعدوں کی کھیتی اپنے خون سے سینچی تھی کہ وہاں اسلام کا پودا اُگے گا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس بنجر زمین میں کیا اُگا۔

یہ اسلامی سوشلزم کی خودرو جھاڑیاں۔ اسلامی اشتراکیت۔ کے خار دار پودے مغربی جمہوریت کی مکروہ گھاس ... بے دینی و الحاد کے کانٹے اور فتنہ ثقافت کے جھاڑ جھنکار کے سوا وہاں کچھ بھی نہ اُگ سکا۔ تمہارے خون کے معاوضے میں تمہیں اللہ کی خوشنودی سے محروم کر دیا گیا اور شیطان کے غلیظ جال تمہارے چاروں طرف بکھیر دیئے گئے۔ لیکن تم ہو کہ دم بخود پڑے ہو۔ کیا یہ کیا ہے کہ تمہارے احساسِ ایمانی کی ساری رگیں کٹ گئی ہیں۔

ایک شخص ملک کے ایک گوشے سے دوڑا ہوا آیا اور اس نے سرِ بازار چیخ چیخ کر کہا کہ "اے لوگو اپنے رب کی طرف آؤ کہ وہی تمہارا مالک و خالق ہے۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے۔ اسی کا قانون تمہاری زندگی کا قانون ہونا چاہیئے۔ یہ مغربی سیاست کے بت جو تم نے تراش رکھے ہیں یہ تمہیں کہیں کا نہ چھوڑیں گے۔ اگر تمہارے اگلوں نے غلطی کی تو کیا تم بھی اسی غلط راہ پر گردن جھکائے بگٹٹ چلے جاؤ گے۔ آؤ اور خدا کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔"

کہنے والا کہتا رہا لیکن تم نے بے حسی کے پھائے اپنے کانوں میں دے لئے اور ناسمجھی کی پٹی باندھے تم اپنے خدا کی مرضی سے دور ہٹتے گئے۔

Marfat.com

اے لوگو یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ہر راہ پر چل پڑتے ہو۔ اور ایک خدا کی راہ ہی ہے جس پر تمہارے پاؤں من من بوجھل ہو جاتے ہیں۔

کیا تم اپنا فرض کبھی نہ پہچانو گے؟۔ کیا تم یونہی خدا کی نافرمانی کی سڑک ہموار کرنے والے مزدور بنے رہو گے؟ کیا حق کی مظلومیت تمہارے سینوں کو کبھی نہ گرمائے گی؟۔ کیا باطل کی شوکت کی گاڑی میں تم یونہی جُتے رہو گے؟۔

خدا کے بندو کیا تم بھول گئے ہو کہ تم مسلمان ہو اور مسلمان صرف اللہ کا کلمہ ہی بلند کرنے کے لئے اس دنیا میں آیا ہے۔ اے لوگو! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ خدا کے باغی تمہارے کندھوں پر سوار ہیں اور تمہارے سینوں میں ایک ٹیس بھی بیدار نہیں ہوتی۔ کیا تم یونہی لاشوں کی طرح پڑے رہو گے یہاں تک کہ ابلیس تمہیں اٹھا کر اپنے نوکر میں ڈال لے۔ اللہ کے بندو تم تو بالکل ہی لاشوں کے انبار بن کر رہ گئے ہو۔

Marfat.com

زندگی کا تقاضا

"مٹی سے ہم پیدا ہوتے ہیں۔ مٹی ہی میں ہمیں لوٹ کر جانا ہے اور مٹی سے ہی ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے"۔ ہر ذی روح کی موت اپنے پیچھے زندوں کے لئے یہ پیغام چھوڑ جاتی ہے۔ "تمہاری باری بھی مقرر ہے"۔ ہر جنازہ گویا زبانِ حال سے یہ کہہ کر گذر جاتا ہے "تمہیں بھی ایک دن اسی راہ پر آنا ہے"۔ ہر مرنے والا اپنی ساکت زبان سے یہ کہہ کر منوں مٹی میں روپوش ہو جاتا ہے اور دنیا کے دانشگاف حقائق میں سب سے بڑی حقیقت اگر کوئی ہے تو یہ ہے کہ ہر زندگی کا فطری تقاضا موت ہے۔ یہ بات اتنی ہی معقول ہے جتنا دو اور دو چار ہونا معقول ہے۔ جینے والا اپنی زندگی کی شاہراہ پر اعمال کی ایک طویل فہرست مرتب کرتا ہوا چلتا ہے اور جب وہ دنیا کے اس دائرے میں اپنا مادی لباس چھوڑ کر کسی دوسرے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو اس کے اعمال کی اچھائی اور برائی اس کے افعال کا حسن و قبح، اس کی نیکیاں اور بدیاں، اس کا ظلم اور اس کی ہمدردی، اس کا انصاف اور اس کی بے دردی اس کا رحم اور اس کی بے رحمی، اس کے وہ کارنامے جنہوں نے مخلوق کو ہدایت کی طرف بلایا اور اس کی وہ حرکات جنہوں نے مخلوقِ خدا کو قہر اور جبر اور ظلم و طغیان

Marfat.com

میں مبتلا کیا۔ یہ سب مل کر تقاضا کرتے ہیں کہ ان کے نتائج بھی مترتب ہوں۔ گزرنے والا تو شاہراہِ زندگی پر پھول اور کانٹے بکھیرتا ہوا گزر گیا۔ لیکن ان پھولوں اور کانٹوں کا ایک پوشیدہ تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے ان اچھائیوں پر انعام ملے جنہوں نے بےشمار انسانوں کو فیض پہنچایا۔ لیکن اس دنیا کے بڑے سے بڑے مادی آسائش کے سامان بھی اس قابل نہیں ہیں کہ اس کی اچھائیوں کا کما حقہٗ معاوضہ ہو سکیں۔ ان برائیوں پر سزا ملے جنہوں نے بےشمار انسانوں کو مدت تک مبتلائے عذاب رکھا اور جن کے اثرات ان کی آئندہ نسلوں تک بھی پھیل گئے۔ لیکن دنیا کے مادی ذرائع کا بڑے سے بڑا عذاب اور دکھ بھی اس کی ایسی برائیوں کا کما حقہٗ بدلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایک سلیم الطبع انسان کی فطرت خود یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہو۔ اور مسلمان کا ایمان بھی یہی کہتا ہے کہ ہاں اس موت کے دروازے میں سے گذر کر جہاں دنیاوی زندگی کا یہ مسافر جاتا ہے۔ وہاں ایک زندگی اور بھی ہے اور وہ زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے۔ موجودہ زندگی اس زندگی کی کھیتی ہے۔ یہ عمل کی جگہ ہے اور وہ اس کے نتائج بھگتنے کی۔ یہ عالمِ عمل ہے تو وہ عالمِ جزا ہے۔ یہ بونے کی جگہ ہے تو وہ فصل کاٹنے کی۔ یہاں امتحان دیا جاتا ہے تو وہاں نتیجہ نکلتا ہے۔ مسلمان کا یہ ایمانِ آخرت ہی ہے جو اس کے سامنے اچھائی اور برائی، نیکی اور بدی کی ایک معین راہ کھولتا ہے اور یہی معین راستہ یا نظامِ حیات ہے جو اسے دوسری تمام قوموں سے ممتاز اور نمایاں کرتا ہے۔ مسلمان اس آخری بہتری کے لئے یہاں کوشش کرتا ہے، جد وجہد کرتا ہے

Marfat.com

اور تدابیر و ذرائع کام میں لاتا ہے۔ مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر شعوری اور غیر شعوری ہر حالت میں یہ تصور ضرور اپنے ذہن میں رکھتا ہے کہ اسے ایک روز مرنا ہے اور پھر اسے ان اعمال کی جواب دہی کرنی پڑ جائے گی۔ جو وہ اس دنیا میں کر رہا ہے۔ ایک گمراہ سے گمراہ اور ایک فاسق سے فاسق مسلمان بھی اس تصور کو نہیں بھلا سکتا۔ یہ تصور اس کی گھٹی میں ڈال دیا گیا ہے۔ کہ یہ زندگی اپنے ساتھ ایک پوشیدہ تقاضا رکھتی ہے اور اس تقاضے کے نتیجے میں ہی زندگی اور کائنات کا پوشیدہ راز کھل کر سامنے آ جائے گا۔

Marfat.com

آزادی کا ماتم

پندرہ اگست یہ وہی دن ہے جب ہماری آزادی نے جنم لیا تھا، اور اس کی ولادت کے درد سے پوری قوم کی چیخیں نکل گئی تھیں۔ اسی پندرہ اگست کی خونیں تصویر ہے جو یہاں صفحہ قرطاس پر کھینچی جا رہی ہے تاکہ سند رہے اور آنے والی نسلوں کے کام آئے۔ یہ وہ دن ہے جب موت کی ساری ہلاکتیں اور خوفناکیاں زندگی کی ساری راحتوں اور شگفتگیوں کے خلاف صف آرا ہو گئی تھیں۔ جب انسانی ضمیر کی ساری نفاست اور پاکیزگی پر شیطانی فکر کی ساری خباثت اور غلاظت نے ہلہ بول دیا تھا۔ جب موت اپنے سیاہ پروں کے ساتھ گھر گھر پرواز کرتی فرد فرد کے سر پر منڈلاتی اور نفس نفس کو اپنے شکار کے لئے تاکتی تھی۔ جب ضمیر انسانیت زخموں سے خونچکاں ہو گیا تھا اور بہیمت و حیوانیت کے بند ٹوٹ گئے تھے۔ جب برصغیر کی آزادی سے انسانوں کی بربادی نے جنم لیا تھا۔ جب پتہ چلا تھا کہ یہ برصغیر جسے اپنی مشرقی شرافت پر ناز تھا۔ ایک کچھار تھا جس میں درندوں کی فوجیں فرنگی کی سنگینوں تلے محبوس پڑی تھیں اور غلامی کا بند ٹوٹتے ہی وہ دندناتے اپنے کھلے جبڑے لئے اپنے تیز پنجوں۔ خوفناک آنکھوں اور اپنی ساری

١٧٩٢١

Marfat.com

خونخواری اور خون آشامی کے ساتھ انسانیت کے جسدِ ضعیف سے چمٹ گئے تھے۔ اسے چبا ڈالا تھا۔ اسے بھنبھوڑ ڈالا تھا۔ اس کے پرخچے اڑا دیئے تھے اور اسے کچا چبا گئے تھے۔

یہ پندرہ اگست ہے۔ یہ وہی دن ہے جب کرۂ ارض پر ابلیس نے اپنے ایجنٹ کھلے چھوڑ دیئے تھے اور ان کے منصوبے عالمِ وجود میں آئے تھے۔ جب عفریتوں نے ہلاکت آفرینی کا ننگا ناچ ناچا تھا جب ابنِ آدم نے ابنِ آدم کے خون سے ہولی کھیلی تھی۔ اپنے بھائیوں کے سر ٹھوکروں سے اڑائے تھے۔ جب کھوپڑیوں سے فتح کے مینار بنائے تھے۔ بوٹیاں اچھالی تھیں۔ لوتھڑے بکھیرے تھے۔ ہڈیوں کے انبار لگائے تھے۔ سرد فولاد نے انسانیت کے جسم سے ساری گرمی اور حرارت چوس لی تھی۔ گرم بازو شرافت کی ساری خنکی کھا گیا تھا۔ تیز و تند آگ نے کمزوری اور مظلومیت کی ہر رگ جلا دی تھی۔ جب ڈاکوؤں کی تلواروں نے کہہ دیا تھا کہ راج اور حکومت سب کچھ ہمارا ہے۔ جب برچھوں نے کہا تھا کہ حکم ہمارا ماننا چاہئے گا۔ جب گولیوں نے سنا سنا کر سنا دیا تھا کہ شاہی پوری کی پوری ہمارے لئے ہے۔ جب لاٹھیوں کی فوجیں نکل آئی تھیں اور نیزوں کے دستے صف آرا ہو گئے تھے۔ جب کرپانوں کے غول امنڈ آئے تھے اور جب بندوقوں کی صفیں بندھ گئی تھیں۔ جب تیروں کی پلٹنیں میدان میں آگئیں تھیں اور توپوں کے رسالے اُبل پڑے تھے اور تن تنہا انسانیت پر

Marfat.com

پرورش کردی تھی۔ جب شور مچ گیا تھا کہ یہ ہندو ہے، یہ مسلمان ہے، یہ سکھ ہے
آج اس کارزار میں بہت ہندو تھے۔ بہت سکھ تھے اور بہت مسلمان تھے لیکن
ایک بھی انسان نہ تھا۔ انسانیت اس دن سرپیٹ چکی تھی۔ شرافت اس دن
دم توڑ چکی تھی۔ خدا خوفی اس دن مرگِ بے ہنگام کا شکار ہو گئی تھی۔ رحم اس
دن تڑپ تڑپ کر چل بسا تھا۔ ہمدردی کے لئے اس دن کوئی جائے
پناہ نہ تھی۔ انصاف اس دن دھواں بن کر اڑ گیا تھا اور اخلاقی پاکیزگی
کے اس دن پر جلتے تھے۔ اُف وہ کیسا دن تھا، کیسے لمحے تھے۔ وہ کیسی گھڑیاں
تھیں، جب بوڑھے برِصغیر نے اپنا جشنِ آزادی منایا تھا۔ جب نومولود
ارضِ پاک نے ہاتھ پاؤں مارے تھے۔ مورخ کو اس دن ایک انسان بھی
نظر نہ آتا تھا جس کے نام سے وہ اپنی تاریخ کے اس خونیں بابِ آزادی
کا افتتاح کر سکے۔ اسے درندوں کے ایک جنگل کی تاریخ مرتب کرنی پڑ گئی
تھی۔ جہاں مار دھاڑ، چیخ و پکار اور آگ و خون کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی
تھی۔ نہ کسی وجہ کا وہاں دخل تھا۔ نہ کسی سبب کی وہاں چلتی تھی، نہ کسی دلیل
کی وہاں شنوائی تھی۔ بس ایک دیوانگی کا رقص تھا۔ ایک خونخواری کا سیل تھا
ایک حیوانیت کا طوفان تھا۔ ایک خون آشامی کا لاوا تھا۔ ایک تباہی و بربادی
اور تاراجی و جہاں سوزی کا ریلا تھا۔ مورخ بے بس تھا۔ اس کی انگلیاں زخمی تھیں
اس کا قلم خونچکاں تھا اور اس کی سیاہی خون ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ صرف اتنا لکھ
سکا: "جب برِصغیر آزاد ہوا تو اس میں کوئی انسان نہ بستا تھا"
یہ پندرہ اگست ہے۔ یہ وہ دن ہے جب آزاد قوموں کی طویل فہرست

ہیں اس برّصغیر کا نام بھی لکھا گیا تھا۔ وہ آزاد قومیں جن کی آزادی دیوانے کتّوں کی آزادی ہے۔ جو اگر قوی ہیں تو انصاف و عدل کا لفظ ان کی لغت میں نہیں اور تحمّل و بردباری کا ان سے علاقہ نہیں، جو دنیا کے کونے کونے میں مست ہاتھی کی طرح سونڈ اٹھائے پھرتی ہیں۔ تاکہ ہر کمزور کا خون آزادی چوس لیں۔ ہر آزاد کو محکوم بنالیں۔ ہر ضعیف کو نگل لیں۔ ہر بے بس کو چباڈالیں ہر پست کو کچل ڈالیں۔ ہر ذی روح کو اپنی مالکانہ حفاظت میں لے لیں اور ہر ذرّے کو اپنا خادم بنالیں۔ وہ آزاد قومیں جو اگر قوی ہیں تو اپنے وسائل کے طیّاروں کے بل پر دنیا کا چپّہ چپّہ اپنا باجگزار بنا لینا چاہتی ہیں، جو ہر درخت پر اپنی مہر کردینا چاہتی ہیں تاکہ کوئی بھوکا ان کا ایک پھل بھی بلاقیمت نہ کھا سکے۔ کوئی خانماں برباد ٹیکس ادا کئے بغیر کسی سائے تلے نہ بیٹھ سکے کوئی پرندہ کسی سرسبز درخت کی شاخوں پہ آزادی سے بسیرا نہ کرسکے۔ جو ہر صحرا کو محیط کرلینا چاہتی ہیں۔ جو ہر چرند پرند اور انسان کے گلے میں اپنی غلامی کا تمغہ لٹکادینا چاہتی ہیں۔ وہ آزاد قومیں جو اگر قوی ہوں تو ہر صحرا اور جنگل ان کا ہے۔ ہر جزیرہ اور جزیرہ نما ان کا ہے۔ ہر جھیل اور ہر دریا ان کا ہے۔ ہر ملک، صوبہ اور ضلع ان کا ہے۔ ہر کشمیر اور ہر جوناگڑھ ان کا ہے۔ ہر بھوپال اور ہر حیدر آباد ان کا ہے۔ وہ آزاد قومیں جو اگر قوی ہوں تو سب سے بڑی مفسد وہ ہوتی ہیں۔ سب سے زیادہ ظالم وہ ہوتی ہیں۔ سب سے بڑھ کر خونخوار وہ ہوتی ہیں۔ سب سے بڑھ کر جابر اور قہرمان اور خون آشام وہ ہوتی ہیں۔ وہ کمزوروں کو نگل جاتی ہیں۔ وہ بے کسوں کو سالم

چبا لیتی ہیں۔ وہ بے اختیاروں کو ہضم کر جاتی ہیں۔ ہر فساد جن کا خادم ہے۔ ہر ظلم جن کا پیش خدمت ہے۔ ہر تباہی جن کی لونڈی ہے۔ ہر بے انصافی جنکی غلام ہے۔ ہر مکر و فریب جن کا خانہ زاد ہے۔ آج کے دن انہیں آزاد قوموں میں برِ صغیر کا نام بھی لکھا گیا تھا۔ تاکہ دنیا کے فسادات میں جو کمی ہے وہ پوری کر دے۔ بنی نوع انسان کے دکھوں میں جو کسر ہے وہ نکال دے۔ زمین کے جو خطے خون کے چھڑکاؤ سے محروم ہیں انہیں سیراب کر دے۔ جو مکر اب تک نہ ہو سکے تھے انہیں وجود میں لے آئے۔ جو فساد اب تک نہ اٹھائے جا سکے تھے انہیں اٹھا کھڑا کرے۔ جو ظلم اب تک نہ کئے جا سکے تھے وہ کر کے دکھائے۔ جو تباہی دنیا اب تک نہ دیکھ سکی تھی اسے بلا دا بھیج دے اور وہ مبارک دن یہی پندرہ اگست تھا۔

یہ پندرہ اگست ہے۔ آج عفریتوں نے کہا تھا کہ آؤ مل کر جشنِ آزادی منائیں! آج تباہیوں نے برِ صغیر کو آزادی کا ہدیۂ تبریک پیش کیا تھا۔ آج ہلاکتوں نے دل کھول کر خون کے خم کے خم لنڈھائے تھے۔ آج بلاؤں نے کہا تھا کہ وقت کی نبض ہمارے ہاتھ میں ہے۔ آج راون نے کہا تھا کہ اس ملک کی ہر سیتا میرے تصرف میں ہے۔ آج دریودھن نے کہا تھا کہ میں اس ملک کی ہر دروپدی کو عریاں کر کے رہوں گا۔ آج فرعون نے کہا تھا کہ میری تلوار کی دھار اس ملک کے ہر بچے کی گردن پر آزمائی جائے گی۔ آج ہلاکو نے کہا تھا کہ کوئی بوڑھا میرے وار سے بچ نہ سکے گا۔ آج چنگیز نے کہا تھا کہ

Marfat.com

ہر ضعیف میرے سامنے ذبح ہو گا۔ آج شداد نے کہا تھا کہ ہر عورت میرے ستم کا نشانہ ہو گی۔ آج موت کے خونیں دھارے زندگی کی ہر رگ سے پھوٹ رہے تھے۔ آج خون کی آبشاریں ہر فراز سے بہہ نکلی تھیں آج تاریخ کی صدیوں کی گہری جڑیں اکھڑ گئی تھیں۔ آج وقت کا پہیہ الٹا چل نکلا تھا شمال مغرب سے آنے والے قافلے آج پھر شمال مغرب کی طرف اٹھ چلے تھے۔ مستقل باسی آج پھر مسافر بن گئے تھے۔ نہ مکان رہے تھے۔ نہ زمینیں رہی تھیں۔ نہ ملکیتیں ... تھیں نہ رشتے رہے تھے۔ نہ دشمنیاں اور دوستیاں رہی تھیں۔ نہ عقیدت اور دعوے رہے تھے۔ نہ اپنے اور بیگانے رہے تھے۔ آدم کے فرزندوں کو پھر ان کی جڑوں سمیت اکھاڑ کر پھینک دیا گیا تھا۔ آزادی کا یہ سب سے پہلا تحفہ تھا جو انہوں نے اس ملک سے پایا تھا۔ سربلندی کا یہ سب سے پہلا سرٹیفکیٹ تھا جو انہوں نے اپنی قیادت سے حاصل کیا تھا۔ جس قیادت کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے سروں پر بٹھایا تھا وہ انہیں موت کی وادیوں میں چھوڑ کر ہوا کے دوش پر سوار سرحدوں کے پار جا بیٹھی تھی۔ جن کے لئے نعرے لگاتے لگاتے ان کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ وہ ان کی گردنوں پر چھریاں رکھ کر خود فرار ہو گئے تھے جن کے قصر اقتدار انہوں نے اپنے ووٹوں کی اینٹوں سے تعمیر کئے تھے۔ وہ انہیں پھانسی کے تختوں پر چھوڑ کر رخصت ہو گئے تھے۔ اور انہیں ایک طویل تجربے کے بعد معلوم ہوا تھا کہ جس سکے کی کھنک پر وہ اتنے مسرور تھے وہ تو ضرورت کی منڈی میں بالکل ہی کھوٹا نکل گیا تھا

Marfat.com

یہ پندرہ اگست ہے۔ آج ایک قوم کو اچانک میدانِ آزمائش میں دھکیل دیا گیا تھا۔ آج اس قوم کو جس نے برسوں سے شور مچا رکھا تھا کہ ہم نے اپنا آموختہ یاد کر لیا ہے۔ اچانک اپنا سبق سنانے کے لئے کہہ دیا گیا تھا۔ آج یکایک اس طالبِ علم کو امتحان کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا جو مدت سے اپنی قابلیت اور اہلیت کا اشتہار دے رہا تھا۔ آج اچانک اس قلاش کے دامن میں ایک بھاری امانت ڈال دی گئی تھی جس نے برسوں سے اپنی دیانت داری کا اعلان کر رکھا تھا۔ آج یکایک اس کشتی کے پتوار ان ناخداؤں کے ہاتھوں میں تھما دیئے گئے تھے جنہوں نے مدت سے شور مچا رکھا تھا۔ کہ ان کی منزلِ مقصود مدینہ ہے۔ جن کی زبانوں پر اسلام کا لفظ بار بار آتا تھا۔ جن کے حلق اسلامی نظام کے نعروں سے خشک رہتے تھے۔ جنہوں نے گلی گلی وعدے بکھیر رکھے تھے۔ جنہوں نے کوچہ کوچہ اپنے عہد و پیمان کا اعلان کر رکھا تھا۔ جنہوں نے اسلام کو ایک فریقِ جنگ بنا رکھا تھا۔ آج کے دن یکایک ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ آؤ اور امتحان گاہِ زمانہ میں اپنے وعدوں کو عمل کی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے لاؤ۔ آج کا دن آزمائش گاہ میں داخلے کا پہلا دن تھا۔ اور اس داخلے کے لئے قوم نے کتنی بھاری فیس ادا کی تھی۔ قوم کے نصف کو گروی رکھا گیا تھا۔ قوم نے اپنے معصوموں کی مسکراہٹوں کو بیچا تھا اپنے بوڑھوں کے وقار کو نیلام کیا تھا۔ اپنے جوانوں کی خودداری اور قوت بھینٹ چڑھائی تھی۔ اپنی عزتوں اور عصمتوں کے موتی لٹائے تھے۔ اپنی تاریخ کا ہر ادبی رسالہ ریکارڈ کباڑخانے کی نذر کیا

تھا۔ اپنے مُردوں کے ڈھانچے اکھڑوائے تھے۔ اپنے زندوں کے لاشے ڈھیروں ڈھیر دیئے تھے۔ اپنی مساجد کا سہاگ لٹایا تھا۔ اپنے میناروں کو وقفِ ماتم کیا تھا۔ اپنی نصف بلی روح بیچی تھی۔ تب اسے یہ داخلہ ملا تھا۔ کہ وہ آگر اپنے وعدوں کا امتحان دے۔ اس امتحان کا نتیجہ آج تک زمانے کے سینے پر نمودار نہیں ہوا۔ شائد یہ سب کچھ ہی راوی اور بیاس کے خونیں پانی میں بہہ گیا۔

یہ پندرہ اگست ہے۔ یہ دن دانتوں میں انگلی لیئے حیران و متعجب کھڑا ہے۔ کہ یہ قوم جو اپنے محبوب نصب العین کے لیئے غلامی کی حالت میں بھی اپنے وجودِ معنوی و مادی کو قربانی کے تختے پر لیئے کھڑی تھی آج آزادی کی حالت میں اس محبوب کی طرف سے اتنی بے حس کیوں ہے! جو غلامی کے قفس میں اس کے بغیر تڑپتی تھی۔ اب آزاد ہو کر اس سے کیوں غافل ہو گئی ہے۔ جس مسافر نے رات کی تاریکیوں میں منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیئے سر پٹخ پٹخ دیا تھا۔ اب طلوعِ صبح پر منزل کی طرف سے بے خبر دنیا کے دورا ہے پر کیوں سو یا پڑا ہے؟۔

یہ کیسا مجاہد ہے جس نے تلوار کے حصول کے لیئے دن رات ایک کر دیئے اور جب تلوار حاصل ہو گئی تو میدانِ جہاد سے فرار کی تیاریاں کر رہا ہے یہ کیسا عشق ہے جو محبوب کے کوچے میں آکر ہی سرد ہو گیا ہے۔ یہ کیسا جوشِ جہاد ہے جو ہتھیار ملتے ہی ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ پندرہ اگست کا دن حیران و ششدر

Marfat.com

کھڑا ہے اور دیکھتا ہے کہ جس راہ کے کانٹے اس مسافر کے لیے پھول تھے. اس راہ کے پھول چننے کے لیئے اس مسافر نے ایک قدم بھی نہیں اٹھایا. حقیقت کی اس تلخ تعبیر پہ اسے سکتہ سا ہو گیا ہے۔

یہ پندرہ اگست کا دن ہے۔ یہ دن واگہ پار کے باشندوں کو یاد دلاتا ہے کہ تم اپنے دعووں میں جھوٹے نکلے۔ تم نے دعوے کئے تھے کہ یہاں کے باشندے سب ایک ہی قوم ہیں. اس اصول کا ڈور ڈور تک ڈھنڈورا پیٹا تھا. اس کے لیئے ایک پوری تحریک چلائی تھی اور نصف صدی تک تمہارے بہترین افراد اس اصول کا اعلان اپنی زندگی اور اپنی موت کے ساتھ کرتے رہے تھے. تم اس اصول پر ایمان رکھتے تھے اور اس ایمان سے ہٹ جانا تمہارے لیئے ممکن نہ تھا. لیکن حالات کے ایک پلٹے کے ساتھ ہی تم نے اپنے اس محبوب اصول کو یوں پھینک دیا جیسے کوئی بچہ اپنا ٹوٹا ہوا کھلونا پھینک دیتا ہے۔

تم نے اپنے عمل سے۔ اپنی زبان سے۔ اپنی تلوار سے. بندوقوں سے. برچھیوں، تیزدن اور بھالوں کی زبان سے کہلا دیا کہ جن لوگوں کو تم اصولی طور پر اپنی قوم کا ایک جزو کہتے تھے. حقیقت میں تمہارے دل اپنے اس اصول کو خود جھٹلاتے تھے. تم نے ان کی عزتیں لوٹیں ان کے گھر لوٹے. ان کو تباہ و برباد کیا، ان کا خون پانی سمجھ کر بہا دیا حالانکہ کوئی قوم اپنی قوم کے افراد کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتی۔ یہ دن تم

Marfat.com

سے کہنے آیا ہے کہ تم جھوٹے تھے اور تم نے نصف صدی تک جس بات پر ایمان رکھا اسے ایک دن میں... غلط ثابت کر دیا۔ آزادی کی جس تلوار کو تم ملک کے ہر طبقے کے لئے رحمت کہا کرتے تھے اسے پاتے ہی تم کمزوروں کو ذبح کرنے کے لئے لپک پڑے تاکہ سب سے پہلے اس کی تیزی انہیں پر آزماؤ۔ جو آزادی تم انسانیت کے فروغ اور اچھائی اور بھلائی کی اشاعت کے لئے لینا چاہتے تھے۔ وہ آزادی تم نے انسان کشی اور مردم آزاری پر استعمال کی۔ تم میں جو بین الاقوامیت کے علمبردار تھے وہ اوّل درجہ کے فرقہ پرست نکلے۔ تم میں جو اتحاد کے بڑے دعویدار تھے وہ اوّل درجے کے فسادی اور موذی نکلے۔ تم نے بہت جلد پوری دنیا کے سامنے یہ شہادت دے دی کہ سیاسی آزادی نے ایک انسان کے بندِ غلامی نہیں کھولے بلکہ ایک درندے کا پنجرہ کھول دیا ہے۔ آج کا یہ دن برِصغیر کے لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ ان کی آزادی کا مقصد خلق آزاری نہیں بلکہ خلق پروری تھا۔ تعصّب کا فروغ نہیں بلکہ اس کا خاتمہ تھا۔ یہ دن ان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ درندگی کو چھوڑ دیں اور انسانیت کو ابھاریں۔ اور دنیا کے ممالک میں ایک بہتر با اخلاق صلح پسند ملک کا اضافہ کریں۔ وہ رام کا وطن ہے جو عہد کا پکّا تھا۔ وہ لچھمن کا وطن ہے جو اپنے بھائی کا بہت خیرخواہ تھا۔ وہ گوتم کا وطن ہے جو ظلم نہیں کرتا تھا۔ وہ کرشن کا وطن ہے جو سداما جیسے غریب دوست کی عزت افزائی کرسکتا تھا۔ اور جس کا پیغام ظلم کی مخالفت اور حق کی

Marfat.com

حمایت تھا۔ وہ اشوک کا وطن ہے جو طاقت کے باوجود رحمدل تھا۔ وہ ارجن کا وطن ہے جو فراخدل تھا۔ کیا اب وہ ان لوگوں کا ملک بن جائے گا جو دنیا کے سامنے اور تاریخ کے صفحات میں بے گناہوں کو قتل کرنے والے۔ کمزوروں پر ظلم کرنے والے۔ بے اختیاروں پر بے جا اختیار استعمال کرنے والے۔ بچوں پر ہاتھ اٹھانے والے۔ عورتوں اور بوڑھوں کو ذلیل کرنے والے ٹھہرائے جائیں گے۔ اگر وہ اپنے ملک کو یوں بنانا چاہتے ہیں تو یہ آزادی کا دن ان کی اس آزادی پر ماتم کرتا ہے۔

Marfat.com

راکھ کے ڈھیر

ناخدا ترسی۔ بے یقینی اور مادہ پرستی نے ابنِ آدم کو کیا سے کیا بنا دیا ہے
بالکل راکھ کے ڈھیر!

نفرت۔ بغض۔ عداوت۔ جنگ و جدل۔ تباہی اور بربادی اس کے روزمرہ کے معمول بن گئے ہیں۔

آہ کوئی ان بے جان راکھ کے ڈھیروں اور بھڑکتی ہوئی چتاؤں کو دیکھے جو انسانوں نے اپنے کمالِ انسانیت کے مظاہرے کے طور پر بھڑکائی ہیں۔ جن کی تہ میں جھلسے ہوئے ڈھانچے۔ اجل گرفتہ اجسام اور تباہ شدہ انسانیت کے اعضاء مدفون ہیں۔ یہ وہ تحفے ہیں جو ہمسایوں نے ہمسایوں کو۔ بھائیوں نے بھائیوں کو اور دوستوں نے دوستوں کو پیش کئے ہیں۔ درگاہِ انسانیت میں یہ کتنے بیش بہا تحائف ہیں۔ بربادی بے چارگی۔ زخم۔ آہیں اور غیض و غضب۔ یہ بیش بہا تحائف مادہ پرستی اور ناخدا ترسی دورِ حاضر کے ابنِ آدم کے حضور میں لاتی ہے۔

آہ! کوئی ان جلتے پھرتے راکھ کے ڈھیروں کو دیکھے۔ جن کے نیچے

Marfat.com

شرافت و انسانی ہمدردی۔ اخلاق اور خدا خوفی۔ سوختہ حالت میں مدفون ہیں۔ جن کے سینوں میں بغض و عداوت۔ اخلاقی پستی ظلم اور ناخدا ترسی کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں۔ بستیاں جن کے کثیف شعلوں سے الامان والحفیظ پکار اٹھی ہیں۔ ہلاکت و درندگی جن کے تپتے ہوئے سینوں میں سانس لے رہی ہیں۔ طبقوں اور فرقوں کی عداوتوں نے انہیں جہنم کی بھٹیاں بنا دیا ہے اور تباہی و بربادی ان کی رفیق ہیں۔ نہ یتیم کے آنسو ان کی آنکھوں میں نمی پیدا کر سکتے ہیں۔ نہ بیواؤں کی آہیں ان کے دلوں کی تپش بجھا سکتی ہیں۔ نہ مظلوموں کی آہ و زاری ان کے دلوں میں عبرت کی لہر دوڑاتی ہے۔ اور نہ ضعیفوں کی بے چارگی ان کے مہلک ارادوں کو تبدیل کر سکتی ہے۔ یہ انسان کہلانے والے دو پاؤں سے چلتے پھرتے راکھ کے ڈھیر ہیں جو ابن آدم کی ہر صفت سے عاری ہیں۔

آہ کوئی ان راکھ کے ڈھیروں کو دیکھے جن کے سینوں کی چنگاری نے قوموں کو بھون دیا ہے جن کی سانسوں میں تنور کی لپٹیں ہیں۔ جن کے الفاظ آتشیں تیر ہیں جو دنیا کی قیادت کی شہ نشینوں پر بیٹھ کر دنیا کے اطراف و جوانب میں امن و سلامتی کی بجائے آگ چھڑکتے ہیں جو ارضی جہنموں کے وارث ہیں۔ جن کے صوفوں کی نرمی میں کسی بے گناہ کی ٹوٹی ہوئی ہڈی بھی کمی نہیں کر سکتی۔ جن کی کاروں کی رفتار کو لڑھکتا ہوا کاسۂ سر بھی شکست نہیں کر سکتا۔ جن کی سوز ناک آتشیں تقریروں اور بیانوں

Marfat.com

کی تلخی کو کسی بے گناہ کی چیخ، کسی مظلوم کا نالہ۔ کسی بے بس کی پکار اور کسی معصوم کی آہ بھی بدل نہیں سکتی۔ جن کے دلوں میں جہنم کی آگ کی لپٹیں ہیں، جن کا تختِ طاؤس انسانی کھوپڑیوں پر کھڑا ہوتا ہے اور جن کا راہوار انسانی خون میں تیرنا پسند کرتا ہے۔ جن کا وقار ہر آہ، تڑپ اور ٹیس کے احساس سے بلند ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے سے یوں بھڑواتے ہیں جیسے روم کے قیصر درندوں سے بھڑوایا کرتے تھے جو اپنی راہنمائی میں نیرو اور ہلاکو ہیں۔

آہ کوئی راکھ کے ان ڈھیروں کو دیکھے جو شہداء علی الناس کا خطاب پاکر اس دنیا میں آئے تھے جو فساد فی الارض کو دور کرنے والے گردانے گئے تھے۔ جو انسانوں کو انسانیت، ہمسایوں کو ہمسائیگی، دوستوں کو دوستی، بھائیوں کو اخوت اور والدین کو شفقت و رحمت سکھانے آئے تھے۔ جو دنیا میں انسانیت کا نمونہ بن کر آئے تھے۔ دیانت اور سچائی جن کی خصلت تھی۔ رحم اور ہمدردی جن کی فطرت تھی۔ محبت و یگانگت جن کے یمین و یسار چلتی تھیں۔ اور عدل و انصاف جن کی گھٹی میں ڈالے گئے تھے جو ابن آدم کو گمراہی کی ہلاکتوں سے نجات دینے آئے تھے۔ ان کے گمراہ سروں کو ہر ذلت و مسکنت سے اٹھا کر ایک ہی درگاہِ عالی میں جھکانے آئے تھے جو نسل و خون کے ماروں کو۔ قوم و وطن کے ہلاکت زدوں کو۔ آباؤ اجداد کے پامالوں کو اور اوہام و ابطال کے پرستاروں کو۔ ان تمام ذلیل کن پھندوں سے

Marfat.com

نکال کر ایک بلند انسانی سطح پر بٹھانے آئے تھے۔ ہاں کوئی ان راکھ کے ڈھیروں کو دیکھے جن کے پاؤں اب ہر ایسی زنجیر میں گرفتار ہیں جن سے انہوں نے بنی نوع انسان کو چھڑایا تھا۔ جو فساد کو مٹانے آئے تھے وہ سر سے پاؤں تک فساد میں لتھڑ گئے ہیں جو نسل و خون اور قوم و وطن کی بندگی سے دوسروں کو چھڑانے آئے تھے۔ وہ خود ہلاکِ جادوئے سامری اور قتیلِ شیوۂ آذری ہیں جن کے ہاتھوں میں مشعلِ ہدایت دی گئی تھی وہ آتشیں شعلے لے کر دنیا کو پھونکنے چلے ہیں جو بندگی کا عہد کر کے آئے تھے ان میں نمرودیت اور فرعونیت انگڑائیاں لیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آہ، کوئی ان حق کی شہادت دینے والوں کو دیکھے، جن کی راہیں کہیں معاشی بدحالی نے مسدود کر رکھی ہیں اور کہیں معاشی خوش حالی نے۔ طائف کی گلیوں میں پتھر کھانے والے رسولؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کا دعوےٰ کرنے والوں کو لوگوں کی کم توجہی کا شکوہ ہے۔ کوئی ان نوحؑ۔ لوطؑ۔ ابراہیمؑ اور محمدؐ کے پیروؤں کو دیکھے، جنہیں لوگوں کی بے حسی اور لاپرواہی فریضۂ حق ادا کرنے سے مانع ہے۔ جن کی جیبیں خوفِ انفاقِ مال سے بھنچ گئی ہیں۔ جن کی زبانیں خوفِ ملامت سے گنگ ہو گئی ہیں۔ جن کے قدم اس راہ کے کانٹوں کو دیکھ کر الٹے پھر رہے ہیں۔ جن کی آنکھیں مصائب کی آندھی سے پتھرائی جا رہی ہیں۔ باطل کی امنڈ امنڈ کر آنے والی لہروں سے جن کے قلوب سینوں میں گھٹ گھٹ گئے ہیں اور جن کی عقلیں راہِ حق کی مشکلات سے حیران و ششدر ہیں۔

آہ کوئی ان راکھ کے ڈھیروں کو دیکھے جو صدیقی و فاروقی و عثمانی و علوی کے لیبل لگائے ہوئے ہیں اور جو یوں سرد ہو گئے ہیں جیسے منہدم قبریں ہوں یا جیسے زمین نے لاشے اگل دئیے ہوں۔ جیسے اہرام مصر کی ممیاں ہوں یا جیسے بت خانوں کے بے جان و بے روح مجسمے ہوں۔

آہ۔ کوئی ان راکھ کے ڈھیروں کو دیکھے جن کے چاروں طرف خونیں مناظر ہیں اور دنیا ہلاکت و بربادی اور گمراہی و ذلّت میں جکڑ گئی ہے۔ اور ان کی بصارت سلب ہو گئی ہے۔ جن کے ارد گرد کراہوں چیخوں آہوں اور زاریوں کا ایک طوفان ہے اور ان کی سماعتیں اچک لی گئی ہیں، خون اور لاشیں۔ خدا سے بغاوت اور ظلم و زیادتی ان کے اوپر اور نیچے ہیں، اور ان کی کمر کی ہمّت انہیں جواب دے گئی ہے۔ جو رخصت کی راہیں ڈھونڈتے ہیں، جن کے استقلال و برداشت کی وسعت خدا کی راہ میں کسی تکلیف کے لیے بے انتہا تنگ ہو گئی ہے جو امنڈتے ہوئے باطل کے سیل کو دیکھ کر خانقاہوں کے تنگ گوشوں میں چھپ جانا چاہتے ہیں اور اپنی عافیت گاہوں کی کھڑکیوں اور دروازوں پر لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کی تاویلوں کے دبیز پردے ڈالنے کی کوشش میں ہیں۔ باطل کی قوت و شوکت سے ذلیل مصالحت جن کی رگوں میں خون کی طرح گردش کر رہی ہے۔ آہ، کوئی انہیں جگائے اور بتائے کہ تم اپنے خدا کو کیسے دھوکا دے سکتے ہو۔ کوئی ان سے پوچھے کہ تمہارے یقینِ آخرت کو دیمک کیوں کھا گئی ہے۔ تم اپنے فریضۂ حق سے منہ موڑ کر کس درگاہ سے سرخروئی اور نجات کی توقع رکھتے ہو۔

Marfat.com

کیا اس عدالت کو بھی دنیا کی کوئی بے نور عدالت سمجھ لیا ہے کہ تمہارے ضمیر کی بجائے تمہاری لفظی اور قانونی موشگافیوں پر فیصلوں کا انحصار ہوگا۔ تم اپنی روگردانیوں کا تحفہ حضور حق میں کس منہ سے پیش کرو گے۔ دیکھو کہ وہ راہِ حق پھر تم پر واضح کی جا رہی ہے۔ سنو کہ وہ بھولا ہوا سبق پھر کسی نے دہرا دیا ہے۔ اٹھو کہ وہ قافلہ پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑا ہے جس کے تم مسافر کہلاتے ہو۔

آج تم پر حجت تمام ہوئی جاتی ہے اور تمہیں آزمائش کی ترازو میں لاکر ڈال دیا گیا ہے۔ تم نہ اٹھو گے تو قافلہ چلتا رہے گا۔ لیکن تم اس منزل سے محروم رہ جاؤ گے جس منزل کے تم مسافر کہلاتے ہو۔

Marfat.com

پُکار

بنی نوع انسان کی انسانیت آج اس دردناک دور میں سے گذر رہی ہے جب کہ ظالم کا ہاتھ روکنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔ سوائے اس کے کہ قدرت کا ہاتھ آگے بڑھ کر ان گروہوں کو آپس میں لڑا دے اور ایک کا شر دوسرے کی قوت سے رفع کر دے۔

مختلف نسلی اور قومی طبقوں میں بٹنے سے پہلے ہم انسان ہیں۔ قدرت نے ہمیں فطرت اور جنس کے لحاظ سے یکساں پیدا کیا ہے۔ پھر شہر شہر سے اٹھتا ہوا یہ دھواں۔ گلی گلی میں رینگتی ہوئی یہ تباہی۔ موڑ موڑ پر لپکتا ہوا یہ انتقام۔ نس نس سے ٹپکتا ہوا یہ خون کیا اس دردناک حقیقت کیطرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان اب درندگی اور حیوانیت کی اس سطح پر آگئے ہیں جہاں جنگل کے خونخوار درندے بھی اس کے سامنے نادم ہیں۔

آگ۔ تباہی۔ خون اور خنجروں کے یہ زہریلے پھل ان تباہ کن پودوں کی فصل ہیں جو قوم پرستی نے انسانوں کے درمیان بو دیئے ہیں۔ یہ ان راہنماؤں کی برکات ہیں جن کی راہنمائی کا تخت تفریق انسانیت اور زمینی فساد کے نظریئے پر ہی جم سکتا ہے۔ اخلاق۔ اعتماد۔ انسانی ہمدردی

Marfat.com

اور اصول سے ہٹ کر چلنے والی راہنمائی پوری دنیا کو آگ کے گڑھے پر لے آئی ہے۔ جاہلی تہذیب کی یہ معراج ہے کہ ظلم کے لئے اٹھے ہوئے ایک ہاتھ کو بھی آج روکنے والا کوئی نہیں رہ گیا ہے

اس واحد آسمانی چھت کے نیچے اس ایک ہی دھرتی کے اوپر ہم ایک ہی خدا کے پیدا کردہ انسان ہیں۔ اس خدا کے جس کا سورج بلا تفریق مذہب و ملت و قومیت اور رنگ و نسل ہم سب کو برابر حرارت پہنچاتا ہے۔ جس کا چاند۔ جس کے تارے۔ جس کی ہوائیں جس کا پانی جس کی ساری نعمتیں ہم سب کو برابر فائدہ پہنچاتی ہیں۔ جس کی نگاہ خلاقی میں نہ گورا عزیز ہے اور نہ کالا۔ نہ مشرقی زیادہ مقرب ہے اور نہ مغربی کو خصوصی نسبت ہے۔ مخلوق ہونے کی حیثیت سے اس کی نظر میں سب برابر ہیں اور اس کی عنایات سب پر یکساں ہیں۔ اب جب کہ انسانی زندگی کے سارے خود ساختہ نظریات اور اصول وہ قومی جمہوریت ہو یا کمیونزم فاشزم ہو یا امپریلزم ایک ایک کر کے دنیا کے سامنے اپنی ناکامی کا تباہی اور بربادی کی صورت میں ثبوت دے چکے ہیں

کیا اب انسان کے لئے یہ موقع نہیں آگیا ہے کہ وہ خدا کی مخلوق ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے کے دوست ہوں دشمن نہیں ہمدرد ہوں ظالم نہیں۔ ہمسایوں کے محافظ ہوں۔ رہزن نہیں۔ پرمحبت ہوں پُرعناد نہیں۔ اور اپنی اپنی جگہ اس بات کا اپنے ضمیر سے پختہ عہد کریں کہ ظلم کو روکیں گے۔ چاہے وہ اپنے ہی گھر سے اُٹھے۔

مظلوم کی امداد کریں گے۔ چاہے وہ کسی طبقے سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ حق کا ساتھ دیں گے اور برائی کو اکھاڑ پھینکیں گے اور کوئی نعرہ کوئی للکار۔ کوئی لالچ اور کوئی فریب بھی انہیں انسانیت کی اس سطح سے گرانے نہ پائے گا جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں۔

کیا دنیا کی اس وسعت میں ایک بھی انسان ایسا نہیں رہ گیا ہے جو اس پکار پر لبیک کہہ کر سلامتی کے راستے کا پہلا سنگِ میل ثابت ہو۔

Marfat.com

فریاد

"اے اللہ میں برباد ہو گیا ہوں۔ تو دیکھ رہا ہے"

زیر لب بڑبڑاتا ہوا وہ ضعیف میکلوڈ روڈ کی سنگین فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا۔ تنہا چلتے چلتے اپنے مالک سے وہ اس طرح باتیں کر رہا تھا جس طرح اس کا ننھا پوتا اس سے لڑکھڑا لڑکھڑا کر انتہائی انس محبت اور اعتماد سے باتیں کیا کرتا تھا۔ ان الفاظ میں کوئی ایسی شوکت نہ تھی لیکن قریب سے گزرتے ہوئے جب میں نے وہ الفاظ سنے تو ہیبت کے مارے کانپ گیا۔ خوف سے میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ زمین کی طرف جھک کر دیکھا اور گردوپیش میں ایک عجیب اضطراب سے دیکھا گویا کوئی غیر معمولی واقعہ ہو جانے والا تھا۔ کہنے والا بالکل بے خبری اور محویت میں بڑبڑاتا ہوا گزرا چلا جا رہا تھا۔

ایک کمزور ڈھانچہ۔ گاڑھے کی قمیص جو دونوں شانوں سے پھٹی ہوئی تھی۔ ایک ملگجا پاجامہ۔ پاؤں میں پھٹا ہوا جوتا۔ جس میں سے اس کے پاؤں کے پنجے نمایاں تھے۔ گھسٹتی ہوئی ایڑی۔ سر پہ ایک بوسیدہ ٹوپی۔ ڈاڑھی سفید اور پریشان۔

Marfat.com

اسے کچھ خبر نہ تھی کہ اس کے قریب سے گزرنے والا شخص اس کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔ اسے اس فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے اپنے اللہ سے اتنی حضوری حاصل تھی جتنی کسی زاہدِ شب زندہ دار کو شب بھر تنہائی اور سکون میں جاگنے کے باوجود بھی حاصل نہ ہو سکتی تھی۔ اس کے الفاظ کہہ رہے تھے کہ وہ کسی بالاتر ہستی کو دیکھ رہا تھا اور اگر وہ دیکھ نہیں رہا تھا تو اس بات کا اپنے وجود کی موجودگی سے بھی بڑھ کر یقین رکھتا تھا کہ کوئی اس کی بات کو بہت قریب سے سن رہا تھا۔ اتنا قریب سے جس قدر اس کا اپنا تنفس تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ گزر رہا تھا اور زیرِ لب بڑبڑا رہا تھا تو اس کی آواز یوں تھی جیسے سرگوشی ہوتی ہے۔ اور اس کے الفاظ خزاں کے جھونکے کی طرح تھے۔ اس کے الفاظ میں وہ گہرا جذبہ تھا جو کسی قریب ترین جانی بوجھی ہستی کے لئے پیدا ہو سکتا ہے۔ کوئی بناوٹ نہ تھی۔ کوئی تکلف نہ تھا۔ کسی دور کی ہستی سے وہ مخاطب نہ تھا۔ کسی بے جانی بوجھی ہستی کا غائبانہ ذکر نہ تھا۔

اتنا قرب، اتنی حضوری۔ اتنی بے تکلفی، اتنا خلوص، اتنا اعتماد اور اتنا یقین۔ کہنے والے کو سننے والے سے کبھی ایک دوست کو دوسرے دوست سے نہ ہوا تھا۔ جتنا فٹ پاتھ پر چلنے والے اس ضعیف آدمی کو حاصل تھا۔

"اے اللہ۔ میں برباد ہو گیا ہوں تو دیکھ رہا ہے۔"

Marfat.com

اور ان الفاظ میں کہنے والے کی ساری داستان پوشیدہ تھی۔ اسے داستان سنانے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ جس سے وہ بات کر رہا تھا وہ داستان کی تفصیلات سے بے نیاز تھا۔ وہ سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی اتنی ہی قربت سے جانتا تھا جس قدر لاوڈ سپیکر پر کہی ہوئی بات کو۔ وہ ان خیالات سے بھی آگاہ تھا جو ایک تتلاتے ہوئے معصوم بچے کے ذہن میں پرورش پاتے تھے اور ان سے بھی آگاہ تھا جو مرنے والے کی گنگ زبان سے ادا نہ ہو سکتے تھے۔ وہ اس قادرِ مطلق سے اپنی دوحرفی داستان کہہ رہا تھا۔

"اے اللہ میں برباد ہو گیا ہوں اور تو دیکھ رہا ہے۔"

مجھے ڈر معلوم ہو رہا تھا کہ جس سے وہ بات کہہ رہا تھا اس کی مٹھی میں تو یہ ساری کائنات تھی۔ اس کی مٹھی میں تو ان برباد کرنے والوں کی پیشانی کے بال تھے جنہوں نے اسے دردمند کیا تھا۔ اس فریاد کرنے والے کی آوازمیں۔ میں نے انتقام کو بھڑکا دینے والا وہ عجز محسوس کیا جو "اللہ کی مدد کب آئے گی" کے جملے پر اعدا کے حصے میں آیا کرتا ہے۔ اس کے اس قوی ترین عجز نے۔ اس کی اس انتقام انگیز فریاد نے اس کی اس بے لفظ داستان درد نے میرے اندر ایک گہرا گھاؤ لگایا۔ میں نے محسوس کیا کہ قلب پر ایک برف کی سل تھی جو اس کی گرمیٔ فریاد سے پانی پانی ہو کر بہہ گئی۔ پاش پاش ہو گئی تھی بے حسی کی ایک چٹان تھی جو ریزہ ریزہ ہو گئی تھی اور اس چٹان کے نیچے میں نے اپنے عجز

Marfat.com

اور بندگی کو تازہ دم پایا۔ میں نے محسوس کیا کہ جو بندگی میری قوت تھی اسے میں نے ایک عرصے سے جمود، بے حسی بلکہ سنگدلی کے نیچے دفن کر رکھا تھا اور اس کی قوت سے بے خبر تھا۔

اس کا اپنے اللہ سے اتنا قرب۔ اور اعتماد انگیز طرزِ عمل دیکھ کر میرے اندر بھی ایک خروش بیدار ہو گیا۔ وہ شخص کتنی بڑی طاقت کو متحرک کر رہا تھا۔ کتنی بڑی پناہ کو آواز دے رہا تھا۔ کتنے بڑے ذریعے کو بلا رہا تھا۔ کتنے بڑے وسیلے کو پکار رہا تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں اسے لا رہا تھا جس کی مٹھی میں پہاڑوں کے سلسلے اور جس کے اشارے پر اجرامِ فلکی کے گولے حرکت کرتے تھے۔ اس کے لیے قلب میں اس گداز کی۔ اعتماد میں اس توکل کی اور سعی میں اس بھروسے کی ضرورت تھی جو فریاد رس کو اگر دیکھ نہ سکے تو کم از کم اس کے وجود کو اپنے قلب سے بھی زیادہ قریب محسوس کر سکے۔

ایک خروش میرے سینے میں ابلنے لگا۔ ایک فریاد جو بے لفظ تھی لیکن داستاں در داستاں تھی جو کربلا سے شروع ہوتی تھی اور بالاکوٹ تک پھیلتی چلی جاتی تھی جس میں امام حسینؓ سے لے کر حسن البنا شہیدؒ تک ابھرتے نظر آتے تھے۔ وہ فریاد بے لفظ اور بے آواز میرے سینے میں ابلنے لگی۔ مجھے بھی اپنے رب سے فریاد کرنی تھی۔ مجھے بھی اپنے رب سے کچھ کہنا تھا۔ بہت کچھ کہنا تھا۔ اتنا کچھ جس کے لیے الفاظ کے انبار بھی کافی نہ تھے۔ اتنا کہنا تھا جتنے میرے جسم پر بال تھے۔ جتنے آسمان پر تارے

Marfat.com

تھے۔ جتنے سمندر میں قطرے تھے۔ جتنے صحرا میں ذرے تھے۔ لیکن میرے پاس الفاظ نہ تھے۔ صرف ایک غبار تھا جو قلب سے آسمان تک پھیل گیا تھا۔ اور میں اس غبار میں خزاں دیدہ پتے کی طرح اڑ رہا تھا۔

"میرے اللہ تیرا دین مغلوب ہے اور تو دیکھ رہا ہے۔"

یہ الفاظ میرے ہونٹوں سے پھسل کر نکل گئے تھے۔ جیسے چڑھی ہوئی کمان سے تیر نکل جاتے۔ لیکن وہ غبار تھا جو قلب تک چھایا جا رہا تھا۔ اس تکولے سے اس میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ آندھی چڑھتی رہی۔ بے لفظ داستان سینے میں ابلتی رہی۔ لے آواز فریاد سینے میں پیچ و تاب کھاتی رہی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میرا قلب قبلہ رُخ ہو کر میرے سینے میں سجدہ ریز تھا۔ عجز اور بندگی کو دعوت دے رہا تھا کہ آئے اور اس کے وجود کو مالکِ حقیقی کے سامنے پوری عاجزی سے پیش کرے۔ غبار پھر الفاظ میں ڈھل رہا تھا۔

"کیا یہ وہی وقت ہے جب تیرا نام لینا مٹھی میں انگارہ پکڑنے کے مانند ہو جانے والا تھا۔ اگر یہ وہی وقت ہے تو مجھے ان انگاروں میں دفن کر دے۔ اس لئے کہ یہ وہی آگ ہے جو ابراہیمؑ کے لئے بھڑکائی گئی تھی۔"

"میرے اللہ تاریخ پھر ایک زمانے کے بعد معرکۂ بدر کو دہرانے کے لئے آئی ہے۔ ایک مٹھی بھر جاں نثار جو صرف تیرے لئے جینا اور مرنا جانتے ہیں۔ اور جن کو اس بانجھ معاشرۂ انسانی نے صدیوں کے بعد جنا ہے جن کے لئے صدیوں بعد تاریخ اپنا سینہ کھول کر آئی ہے کہ اس پر بڑھ کر تیرا

Marfat.com

نام لکھ دیا جائے۔ اس وقت جب کہ بزرگوں خون کو پسینہ بنا کر بہانے کے بعد تیرے بلند نام کو چار دانگ عالم میں پکارنے کے لئے ایک مینار کی ابتدائے تعمیر ہوئی ہے اور نخالفت کے ساتھی بڑھ چڑھ کر اس تعمیر کو گرا دینے کے لئے حملے اور سازشیں کر رہے ہیں۔ تو دیکھ رہا ہے کہ ایک طرف ساز و سامان ہے اور دوسری طرف تیرے نام کی قوت اور تیرے رسول کی غیرت کا سہارا ہے اور تو دیکھ رہا ہے کہ تاریخ کے اس دور نے سینکڑوں ابوجہل اور ابولہب جنم دے دیئے ہیں۔ بلبیوں کے سر پہ منافقت کا تاج رکھ دیا ہے اور ایک بڑے زور کی کشمکش سر پہ کھڑی ہے۔ ماموں اور بھانجا۔ بھائی اور بھائی۔ چچا اور بھتیجا باپ اور بیٹیاں آمنے سامنے آتے ہیں جیسے تب آتے تھے۔ جب تیرا نام پکارنے کے لئے صدیوں پہلے ایسا ہی ایک معرکہ برپا ہوا تھا۔ اگر اس دور میں تیری مشیت کی سنت یہ ہے کہ آرے جسموں کو چیریں تو یہ جسم تیری راہ میں بکے ہوئے ہیں۔ اگر یہ اشارہ ہے کہ لوہے کی کنگھیاں اپنا فرض ادا کریں تو یہ تیرا ہی مال ہے تو اسے جس قصاب کے حوالے کرنا چاہے کر دے۔ لیکن تو بہتر جانتا ہے اور تجھ سے بڑھ کر کس میں جاننے کی ہمت ہے کہ یہ مٹھی بھر انسان صرف تیرے ہی نام کا مینار تعمیر کر رہے ہیں اور تیری ہی اذانِ حق بلند کرنا چاہتے ہیں۔ اور تجھے ہی منانے کے لئے سارے جہان سے روٹھے ہوئے ہیں اور تیری ہی چشم التفات کا ایک گوشہ ان کے لئے بہارِ زندگی ہے۔ تو انہیں

Marfat.com

برباد نہ ہونے دے۔ ان کی دستگیری فرما۔ تو دیکھ رہا ہے کہ وہ اس لئے طوفان میں کود پڑے ہیں کہ تو ڈوبتے سفینوں کو تیرانے والا ہے ان کے پاس تجھے راضی کرنے کے لئے اپنی متاعِ زندگی اور عجز کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہی وہ تیرے حضور میں پیش کرتے ہیں۔"

یہ بے صوت داستان میرے سینے اور ہونٹوں کے درمیان کانپتی رہی اور میں گردوپیش سے بے خبر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ گرم گرم آنسوؤں کے دو قطرے ڈھلک کر اپنی بندگی اور عجز کا اظہار کرتے ہوئے سنگین فٹ پاتھ پر جا پڑے۔ غبار چھٹ گیا۔ طوفان گزر گیا۔ اور میں نے محسوس کیا کہ کہنے والے کو جو کچھ کہنا تھا وہ بے کہے سننے والے نے سن لیا تھا اور اتنا قریب سے سنا تھا کہ شاید اتنا قرب خود کہنے والے کو اپنا بھی حاصل نہ تھا۔

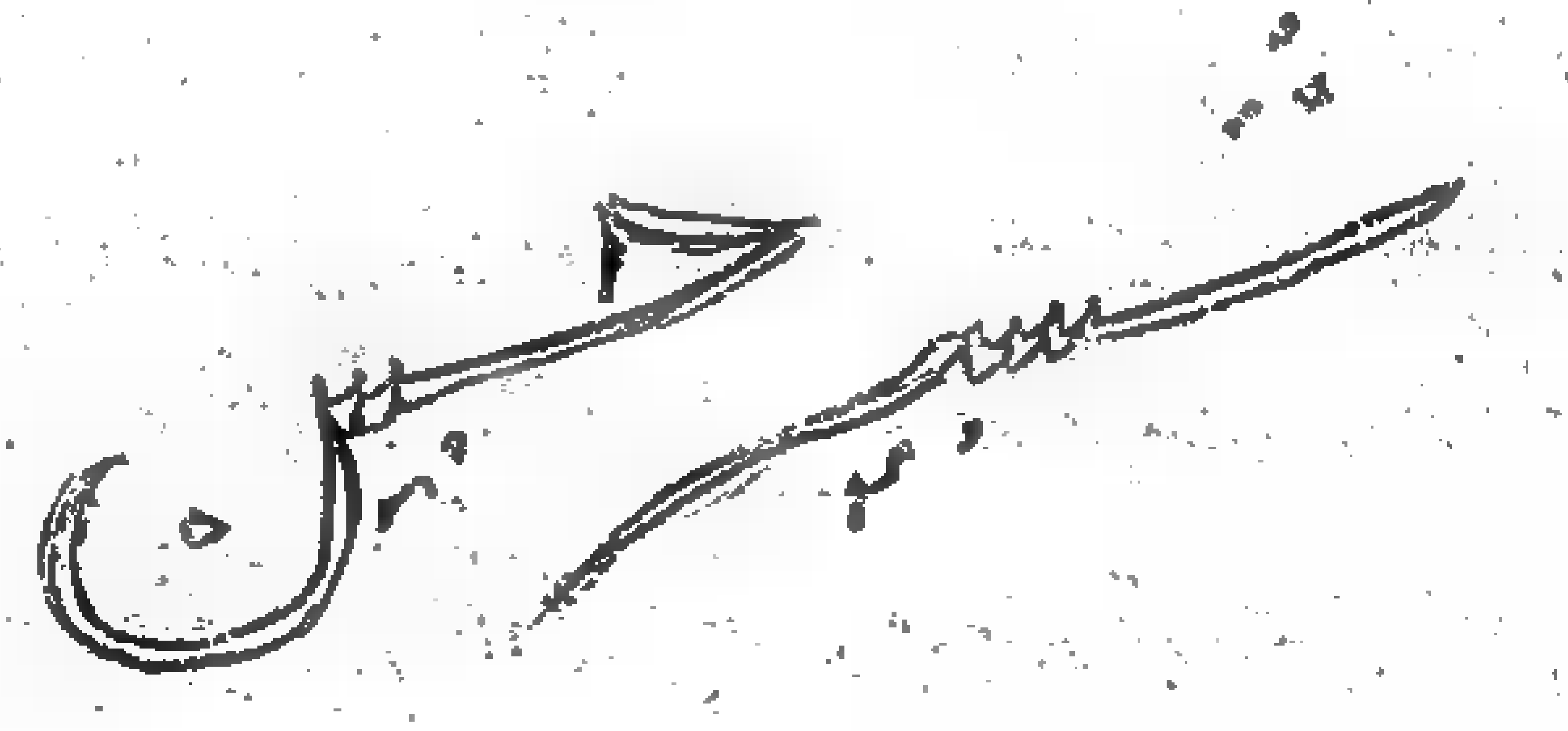

Marfat.com

ایک بزرگ فرماتے ہیں

(یہ مضمون نامکمل ہے اور جب تک ہمارے معاشرے پر تضادِ فکر و عمل حکمران بن کر مسلط ہے اس کی تکمیل بھی ناممکن ہے۔ اس لئے اسے نامکمل ہی مکمل سمجھ لیا چاہیئے۔ ا۔ گ)

"چاہیئے" کا لفظ کسی شخص کی دلی تمنا کا اظہار کرتا ہے اور محض "تمنا" آدمی بالعموم ان چیزوں کی کرتا ہے جو اس کے بس میں نہ ہوں، جن کی ضرورت کا شدید احساس اور جن کے وجود کی اہمیت اس کے نزدیک بہت زیادہ ہو، لیکن ان کا حصول بڑی حد تک اس کے بس سے باہر ہو۔ جس کے بس میں ذرا بھی کچھ اختیار ہو وہ اس چیز کو سب سے پہلے عمل میں لاتا ہے۔ جس کے لئے "چاہیئے" کا لفظ اس نے اپنے دورِ بے اختیاری میں کبھی استعمال کیا ہوتا ہے۔

لیکن جہاں قلب کی بیماری اور اخلاص کا فقدان موجود ہوں اور ان دونوں نے منافقت کی کھیتی تیار کر رکھی ہو وہاں "چاہیئے" کا لفظ عجیب و غریب معنی پیدا کر دیتا ہے۔ وہاں جو زبان سے "چاہیئے" ہو وہ دراصل ہاتھ اور پاؤں سے "نہیں چاہیئے" ہوتا ہے اور جو ہاتھ اور پاؤں سے "چاہیئے"

Marfat.com

ہوتا ہے وہ زبان سے "نہیں چاہیئے" ہوتا ہے۔ اختیارات کی موجودگی میں ایک شخص کا بے بسوں کی طرح محض "چاہیئے" کہنا اور پھر ٹھنڈی سانس بھر کر اس "چاہیئے" کو "نہیں چاہیئے" کے خانے میں درج کردینا یا تو بھاری مکّارانہ منافقت ہے یا بڑی شدید جہالت کم علمی اور تدبیرِ کار سے بے خبری ہے یا تو وہ اپنے "چاہیئے" کو پہچانتا نہیں ہے اور محض اس کی تمنّا کرتا ہے اس صورت میں وہ احمق اور بلید الذہن ہے اس لیئے کہ اگر وہ پہچانتا نہیں ہے تو ان لوگوں سے مدد لے جو اسے پہچانتے ہیں اور اپنی غلط شناخت کی بجائے اصل شناخت کرنیوالوں پر بھروسہ کرے اور یا پھر دراصل اس کا "چاہیئے" اور ہے لیکن لوگوں کو دھوکا دینے کے لیئے اس نے لوگوں کے "چاہیئے" پر خود بھی "چاہیئے" کا لیبل لگا رکھا ہے۔ اس صورت میں اس کی منافقت بلاشبہ بڑی گھناؤنی حد تک پہنچی ہوئی ہے اور اس کے نفاق کا علاج کرنا اس کی قوم کا فرض ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "اسلامی علوم کو رواج دینا اور انہیں پھیلانا چاہیئے" اور یہ کہہ کر وہ ان کالجوں اور یونیورسٹیوں اور اسکولوں میں خالص غیر اسلامی طرزِ تعلیم اور خالص ملحدانہ نصابِ تعلیم جاری رکھتے ہیں۔ جو قوم نے ان کے ہاتھوں میں اس لیئے دیئے ہیں کہ وہ ان میں اسلامی علوم کو رواج دیں۔ انہیں "چاہیئے" کہنے کے بعد اپنے قول و فعل کے اس تضاد میں نہ ذرا اخلاقی گراوٹ محسوس ہوتی ہے اور نہ کسی معذرت کی ضرورت

Marfat.com

ایک بزرگ فرماتے ہیں "مہاجرین کی آبادکاری جلد از جلد عمل میں آجانی چاہیئے" اور یہ کہہ کر گویا وہ ان کی آبادکاری سے بھی پوری طرح فارغ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ ان لاکھوں خانماں برباد پاکستان کے معماروں میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جسے ان "چاہیئے" کے دعویدار صاحب کے جملے میں سے کبھی نے آباد کیا ہو ورنہ بیشتر ان میں سے خود ہی آ کر جدھر کسی کے سینگ سمائے ادھر گھس گیا۔ کوئی کسی دوست پر لد گیا کوئی کسی عزیز کے ہاں پناہ گزیں ہو گیا۔ کسی نے اپنی ٹوٹے بازو سے اپنے لئے بیٹھنے کا ٹھکانہ بنا لیا۔ کسی نے جرائم پیشگی اختیار کر لی اور جو بالکل ہی کمزور اور بے سہارا تھے اور جن کی آبادکاری ہی اصل کام تھا وہ آج بھی شہروں کے فٹ پاتھوں پر جابجا مل جاتے ہیں جو بھیک مانگ مانگ کر جی رہے ہیں یا موت و زیست کے درمیان معلق ہیں۔ بڑی کثرت سے بیماریوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ کبھی کبھار گداگروں کی طرح ان پر عنایات کی جاتی ہیں۔ یہ ان کی انسانیت کو مزید قتل کرنے کے مترادف ہے تاکہ ان کا مزاج گداگری پوری طرح پختہ ہو جاتا ہے اور ان کی شرم و حیا کا رہا سہا نوخیرہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ تدابیر آباد کرنے کی نہیں بلکہ مستقل برباد رکھنے کی ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "قوم میں اسلامی اخلاق ابھارنا چاہیئے" اور یہ کہہ کر اپنے تمام ذرائع نشر و اشاعت سے کر جو قوم نے ان کے سپرد اس لیئے کیئے ہیں کہ وہ قوم میں اسلامی اخلاق ابھاریں۔ قوم پر فحاشی اور

Marfat.com

بے حیائی کی مہم لے کر بل پڑتے ہیں۔ گھر گھر میں عشقیہ گانے سنواتے ہیں۔ گندے رسائل بکواتے ہیں۔ معیاری، اخلاقی اور احتسابی پالیسی رکھنے والے جرائد کا گلا گھونٹتے ہیں۔ اور ان کی معاشی کمر توڑتے ہیں۔ اور فحش جرائد کو اخلاقی تعلیم کا نصاب سمجھ کر گھر گھر پہنچانے کا اہتمام کرتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "کشمیر جلد از جلد حاصل کر لینا چاہیئے۔" اور پھر لیونا ہیں۔ او ہیں جا کر ایک جاہل دیہاتی مقدمہ باز کی طرح اپنا مقدمہ دائر کرواتے ہیں۔ اور واپس آ کر اپنے گھر میں ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سو رہتے ہیں اور کبھی کبھی اچانک اٹھ کر دنیا کے ناکام ہتھکنڈوں کے مطابق کبھی کشمیر ڈے منا لیتے ہیں۔ کبھی اپنے جلسوں میں اور ریڈیو پر مخالفین کو کوس لیتے ہیں۔ اور اگر کوئی خدا کا بندہ خدا لگتی بات کہتا ہے اور مردانہ وار معاملات کو سمجھنے اور ان سے نپٹنے کا مشورہ دیتا ہے تو غدار اور انتشار پسند کا ایک نعرہ لگا کر جو جہاد انہیں محاذ کشمیر پر جا کر لڑنا چاہیئے وہ اس نیک مشورہ دینے والے کے خلاف گھر میں ہی لڑ ڈالتے ہیں۔ اور اس پر سمجھ لیتے ہیں کہ میدان جیت لیا۔ حالانکہ میدان توپ و تفنگ سے جیتے جاتے ہیں۔ بہتان تراشی اور الزام تراشی سے نہیں جیتے جا سکتے۔ اس طرح "چاہیئے" کا ورد کر کر کے سال پر سال گزار دیئے جاتے ہیں۔ لیکن محض ورد کرتے سے تو ایک "لیک" بھی منہ تک نہیں پہنچتا، محاذ کیسے فتح ہو سکتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "ہمارا آئین اسلامی اصولوں کے مطابق ہونا

Marfat.com

چاہیئے" اور یہ کہہ کر وہ کبھی بھارت کا دستور سے آتے ہیں کبھی امریکہ کے دستور کو لالچ بھری نظر سے دیکھتے اور اس کی نقل اتارتے ہیں کبھی برطانیہ پر حسرت آمیز نظر ڈالتے ہیں، کبھی اپنے ملک کے کسی بد بخت خاتمہ بردار سے کہلواتے ہیں کہ" ایک شخص کی زندگی ہمیشہ کے لئے کیسے نمونہ بن سکتی ہے" کبھی قرآن سے دستور کی نفی کرنے والے کو امید بھری نظر سے دیکھتے ہیں اور اسے فوراً معاوضہ پیش کرتے ہیں، کبھی بھانت بھانت کے پرندوں کو منافقانہ بولیاں بولنے کے لئے جمع کرتے ہیں لیکن" چاہیئے" کی حد تک وہ ضرور اس بات کا بار بار اعادہ کرتے رہتے ہیں کہ" اسلامی دستور ہونا چاہیئے" حالانکہ ان کا قول اور فعل ان کے بارے میں بہت غلط انداز سے پیش کرتا ہے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں" ہمیں نبی کریمؐ کی پوری پوری پیروی کرنی چاہیئے" اور یہ کہہ کر وہ مچا سام اور جان بل کی پیروی کے لئے چل کھڑے ہوتے ہیں اور اپنی زندگی کے ہر معاملے میں، اپنے اس قول کی تردید کرتے چلے جاتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ" ہماری خواتین کو حضرت عائشہؓ کا اسوہ سامنے رکھنا چاہیئے" اور پھر وہ اپوا کی ایک پلٹن کو سڑک پر سے پریڈ کراتے ہوئے کسی اجنبی غیر ملکی مہمان کے استقبال کے لئے ایئر پورٹ کی طرف لے جاتے ہیں تاکہ اپنی قومی غیرت و حمیت کا ہدیہ اس کے سامنے پیش کر سکیں۔

Marfat.com

ایک بزرگ فرماتے ہیں "ہمیں خالدؓ اور طارقؒ کی روایات کو زندہ کر دینا چاہیئے" اور پھر اپنی خارجی پالیسی اور بیرونی تعلقات میں وہ بزدلانہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں کہ اس پر دشمن بھی ہنستے ہیں اور دوست بھی کفِ افسوس ملتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "رشوت اور سمگلنگ ختم ہونا چاہیئے" اور پھر ان اختیارات کو جو ان کا قلع قمع کرنے کے لئے ان کے ہاتھ میں دیئے گئے ہیں انہیں کے بل بوتے پر وہ ان دونوں ذرائع آمدنی سے اپنا بنک بیلنس برابر بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "ووٹ عوام کا حق ہے اور انتخابات خالص جمہوری اصولوں کے مطابق ہونے چاہیئے" لیکن اس "چاہیئے" کا ظہور جلوس دھاندلی، دھوکا، دشنام، دھمکی اور دار و گیر کے ذریعہ ہوتا ہے اور جو صاحب بہت بڑھ چڑھ کر زور آواز سے اس "چاہیئے" کا اعلان کرتے ہیں وہی اپنے یہ جمہوری ہوز ارسلے کر انتخابات لڑانے کے لئے چل کھڑے ہوتے ہیں۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں "ہمارے تاجروں کو اپنے معاملات درست اور اسلام کے اصولوں کے مطابق رکھنے چاہیئے" اور یہ کہہ کر وہ ایسے احکام و ضوابط مخصوص مرتب کرتے ہیں جو تاجروں کو مجبور کریں کہ وہ اسلامی اصولوں کو کسی قیمت پر ملحوظ نہ رکھ سکیں۔ ان کو دُہرے حسابات رکھنے پر مجبور کرتے ہیں۔ رشوتوں کے دروازے کھولتے ہیں۔ مارکیٹ کے بھاؤ اپنے مفاد کے پیشِ نظر ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اپنے پالیسی کے

راز تک خود افشا کر دیتے ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں میں اپنا حصّہ لگاتے ہیں مال روک کر بھاؤ بڑھاتے ہیں اور ساری معیشت کی گاڑی کو۔ سود۔ رشوت بلیک مارکیٹ اور سمگلنگ کی غلاظتوں سے بھر دیتے ہیں۔ لیکن ڈنروں اور رقصوں کی بھرمار میں اپنے اس قول اور اس فعل کے فرق پر غور کرنے کے لئے کبھی وقت نہیں نکال سکتے۔

اس طرح "چاہیئے" کا لیبل لگا کر "نہیں چاہیئے" کو عمل میں لایا جاتا رہتا ہے اور قوم کو بیوقوف بنانے کے لئے "چاہیئے" کو اپنی گہری تمنا کا اظہار بنا کر پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ زبان کچھ کہتی رہتی ہے۔ ہاتھ اور پاؤں کچھ اور کرتے رہتے ہیں۔ لیکن یہاں آنکھوں والے بھی موجود ہیں جو ان کہنے اور کرنے میں ہمالیہ برابر تضاد رکھنے والوں کے اس تضاد کو دیکھ کر عوام کو آگاہ کر سکیں۔ سونے والے اب جاگ رہے ہیں۔ یہ چوری ہمدردی کے روپ ہیں اور یہ منافقت ایمان کے رنگ میں زیادہ دن نہ چل سکے گی۔ ایک عام آدمی کا یہی خیال ہے۔

Marfat.com

مولوی اور مسلمان

ہر وہ نشان جو ایک عام مسلمان کے لیے اس کے مسلمان ہونے کی علامت تھا اب سوسائٹی نے وہ مولوی کے لیے خاص کر دیا ہے تاکہ عام مسلمان کو ہر طرح کھلی چھٹی مل جائے۔

اس کا مظاہرہ شب و روز ہوتا رہتا ہے۔

ایک عام مسلمان ہونے کے لیے بنیادی شرائط میں یہ بھی ہے کہ وہ نماز پڑھے لیکن آج جو شخص نماز پڑھے اسے ہماری سوسائٹی مولوی صاحب کہتی ہے۔ گویا نماز پڑھنا تو مولوی کا کام ہے اور ایک سیدھا سادھا مسلمان جو بہر حال مولوی نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ نماز سے آزاد ہو گا اس لئے کہ آخر ہر شخص کیسے مولوی ہو سکتا ہے۔

ڈاڑھی رکھنا سنت رسولؐ ہے اور ظاہر ہے کہ رسولؐ کی سنت ہر مسلمان کے لئے ہی ہے۔ لیکن آج جو شخص ڈاڑھی رکھتا ہے اسے ہماری سوسائٹی مولوی صاحب کہتی ہے۔ گویا ڈاڑھی رکھنا مولوی کا کام ہے اور ایک سیدھا سادھا مسلمان جو بہر حال مولوی نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ وہ ڈاڑھی نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے کہ ہر مسلمان مولوی تو نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

نیکی کا مشورہ اور بھلائی کی نصیحت کرنا مسلمان کے فرائض میں سے ہے۔ لیکن آج جو شخص یہ کام کرے اسے ہماری سوسائٹی مولوی صاحب کہتی ہے گویا نیکی کی تلقین کرنا تو مولوی کا کام ہے۔ ایک عام مسلمان تو ظاہر ہے کہ برائی ہی کر سکتا ہے اس لئے کہ ہر مسلمان تو مولوی نہیں ہو سکتا۔

غرض ہر وہ کام جو مسلمان کے مسلمان ہونے کے لئے لازمی علامت تھا اب اسے مولوی کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اور ایک عام مسلمان ان پابندیوں سے آزاد ہو کر محض "ایک آدمی" ہو کر رہ گیا ہے اور وہ ایسی پابندیوں کو مولوی ہونے کی علامت سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر مسلمان مولوی تو نہیں ہو سکتا کہ وہ ان پابندیوں کا پابند ہو کر مولویانہ زندگی گزارے۔

اس طرح ایک عام مسلمان کا معیار مولوی کے حوالے کر کے عام مسلمان سوسائٹی نے اپنا مقام اس جگہ بنایا ہے جہاں مسلمان ہونے کی کوئی پابندی بھی اس پر لاگو نہ ہو سکے۔

مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

Marfat.com

جیل کے نام

مٹی اور پتھر کی اونچی دیوارو۔ تمہیں میرا سلام پہنچے!

تمہاری آغوش میں ایسی محبوب ہستی ہے جس نے تمہیں بھی میری نظر میں محبوب بنا دیا ہے۔ کاش تم میری باتوں کا جواب دے سکتیں تو میں تمہارے ساتھ دوستی پیدا کر لیتا۔ تمہارے حالاتِ زندگی تفصیل سے پوچھتا۔ تمہاری آغوش میں کیسے کیسے لوگ آئے اور ان سے تم نے کیا کیا تاثر قبول کیا۔ کیا تم نے امام ابن تیمیہؒ کا نام سنا ہے۔ کیا تم ابو حنیفہؒ سے آگاہ ہو۔ تم نے ابن حنبلؒ کی تو ایک مدت تک رفاقت کی ہے۔ شیخ سرہندیؒ کو بھی تم نے اپنی آغوش میں ایک مدت تک رکھا ہے۔ آج بھی تمہارے پاس اسلام کی ایک تلوار محفوظ ہے۔ بتاؤ تمہاری ان لوگوں کے بارے میں کیا رائے ہے۔ لیکن تم تو گونگی ہو۔ نہ بولتی ہو نہ جواب دیتی ہو۔ سنگین خاموشی سے ٹک ٹک دیکھتی ہو۔

آج جو ایک گوہرِ بے بہا تمہارے پاس ہے اس کی کوئی بات بتاؤ۔ تم تو اس کے قریب ہی رہتی ہو۔ تمہارا ایک حصّہ تو اسے شب و روز دیکھتا ہے۔ تم نے ایک بات سنی تھی!۔ وہ بات یہ تھی کہ کچھ لوگ ایسے

پھانسی کی طرف گھسیٹے لئے جا رہے تھے وہ تو پوری ملت نے اپنی امانت کو پکڑ کر تھام لیا اور اوپر سے قانونِ مطلق کی تقدیر نے اس کی اجازت نہ دی۔ ہاں تو وہ اسے سنگینوں، بندوقوں اور اپنے خوفناک ہتھیاروں کی چھاؤں میں دار کی طرف لئے جا رہے تھے۔ یہ خیال کر کے کہ ہم تو اس ملک میں سب سے قوی ہیں۔ ہم ہی رب ہیں۔ ہم ہی مالک ہیں جس کو چاہیں زندہ رکھیں۔ جس کو چاہیں مار دیں۔ چنانچہ انہوں نے مجرموں کو چھوڑ کر اپنی حیات بخشی کی پوری دلیل ذکر پیش کر دی اور معصوموں کو پکڑ کر دار کی طرف لے چلے۔ یہ بتانے کے لئے کہ وہی رب تھے۔ مالک تھے اور اس زمین میں انہیں کا حکم آخری تھا اور وہ بے نیاز اور مطمئن انداز میں دار کی طرف چلا جا رہا تھا۔

کسی نے پوچھا "اے شخص اس حالت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے"؟ اس نے کہا "قادرِ مطلق کو اگر یہ منظور ہے تو بندہ راضی برضا ہے اگر منظور نہیں ہے تو یہ لوگ اس سے عاجز ہیں جو کرنا چاہتے ہیں"؟

تم یہ بتاؤ جب اس نے یہ بات کہی تھی تو اس کے وقار کی دہشت سے تمہارا سینہ شق نہیں ہو گیا تھا اور کیا وہ جو اسے یوں گھسیٹ کر وہاں پہنچانا چاہتے تھے۔ اس کی عظیم شخصیت کے سامنے مکھیوں کی مانند حقیر نہیں ہو گئے تھے۔ میں اس بارے میں تمہارا تاثر خصوصی طور پر جاننا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ تم اس ساری دار و گیر کی عینی شاہد ہو۔

Marfat.com

اور یہ جو تمہارا آہنی پھاٹک ہے۔ سنا ہے اس تک وہ کئی بار اپنے ملنے والوں سے ملنے آتا ہے۔ اسے چھوتا ہے اور اپنے ساتھیوں سے باتیں کرتا ہے۔ بخدا کیسا خوش بخت تمہارا پھاٹک ہے اور کیسی خوش بخت تم ہو جس کا ایسا پھاٹک ہے۔ تمہاری کیسی فضا ہے جس میں وہ سانس لیتا ہے۔ کیسی زمین ہے جس پر وہ رہتا ہے اس کے کیسے مکین ہیں جن کو اس کی صحبت میسر ہے۔ کبھی موقعہ ملے تو میرا سلام اس تک ضرور پہنچا دینا اس لیئے کہ میرا خط اس تک پہنچنے نہیں دیا جاتا۔ کچھ لوگ درمیان میں احتیاط کی چھلنی لگائے بیٹھے ہیں۔

تمہیں عفتِ یوسف کی قسم۔ میرا ایک پیغام اس تک پہنچا دینا۔ بالکل خاموشی کے ساتھ اس کے کان میں پھونک دینا۔ کہنا ایک دوراُفتادہ کہتا ہے کہ "آپ ہمیں اتنے بڑے پنجرے میں مقید چھوڑ کر خود ایک کونے میں آزادی کے مزے لوٹ رہے ہیں"۔ بس یہ کہنا اور باادب پلٹ آنا اور ہاں یہ بھی کہنا۔ ان سے نہیں اپنے بنانے والوں سے۔ خاموشی سے نہیں بلکہ اپنی پوری قوت سے چیخ کر ایسی آواز سے کہ تمہاری آواز کراچی سے قاہرہ تک سنائی دے۔ کہ ایک وار سے کام نہ چلے گا۔ نہ ایک جیل سے۔ نہ ایک فوج سے۔ نہ ایک زندگی سے۔ تم اے باطل کے محافظو! تاریخ کے سینے پر کتنی بار دارورسن لے لے کر ابھروگے۔ کتنی جیلیں تعمیر کروگے۔ کتنی فوجیں لے لے کر آؤگے۔ کتنی بار پیدا ہو ہو کر مروگے۔ حق کا سپاہی بار بار ہر ہر دور میں آئے گا اور تمہاری کمر پر شدید

ضربیں لگاسکے گا۔ حق تو زندۂ جاوید قوت کا نام ہے۔ جذبے اور عقیدے کا نام ہے اسے اگر دار پر لٹکا دینے کی ہمت ہو تو ضرور اپنی سی کر گزرو اور کوئی کسر نہ چھوڑو۔"

اور پھر جب تمہیں موقع ملے تو ان کی خدمت میں ایک پیغام اور پہنچا دینا۔ کہنا جو قافلہ آپ نے مرتب کیا ہے اور اس کے سامنے جو منزل نمایاں کی ہے وہ اپنی منزل تک پہنچ کر دم لے گا۔ قافلۂ حق جب رواں ہوجائے تو پھر نہ فرعونوں کے قوت و شوکت کے مظاہرے اس کی رفتار کم کیا کرتے ہیں اور نہ وسیع وعریض طوفانی لہروں والے نیل اس کی راہ روک سکتے ہیں۔

مٹی اور پتھر کی اونچی دیوارو! ان تک میرا سلام ضرور پہنچا دینا! اور کہنا کہ آپ کی یاد میں قافلے کے قدم تیز تر ہوگئے ہیں! بس صرف یہ کہ آپ بہت یاد آتے ہیں۔

(۱۹۵۳ء)

Marfat.com

یومِ عالمِ اسلام

آج یہاں یومِ عالمِ اسلام منایا جا رہا ہے۔ ہال میں رنگ برنگ لباس جمع ہو رہے ہیں۔ کوٹ پتلونیں اور ٹائیاں۔ ترچھی مانگیں اور بوالہوس نگاہیں۔ سرخی، پاؤڈر اور خوشبوئیں۔ اڑتے ہوئے دامن اور لہراتے ہوئے بال۔ مسلمان سامعین جمع ہو رہے ہیں۔ مسلمان مقرر تشریف لا رہے ہیں

آج یہاں یومِ عالمِ اسلام منایا جا رہا ہے۔

اونچی اسٹیج پر کرسیاں بچھی ہیں۔ یہ اونچی جگہ "مسلمان برہمنوں" کے لیے ہے۔ فرش اپنی ساری پستی کے ساتھ ہال میں بچھا ہوا ہے۔ یہ مسلمان شودروں کے لیے ہے۔ برہمن اکڑ اکڑ کر کرسیوں پر اپنی عظمت اور شوکت، شان اور برتری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہ سب قائدین اور معززین ہیں اور شودر سمٹ سمٹ کر فرش پر اپنی لیے وقعتی، گھٹیا پن اور بے زبانی کا اعلان کر رہے ہیں

یہ سب مسلمان عوام ہیں۔ یہ اسلامی برادری کا اجتماع ہے۔ یہ اسلامی سوسائٹی کے نعرہ مساوات کا جوابی عمل ہے۔

Marfat.com

آج یہاں یوم عالم اسلام منایا جا رہا ہے۔

اسٹیج کی پشت پر ایک بہت بڑا نقشہ لٹک رہا ہے۔ یہ ایک صوبے کا نقشہ ہے۔ "عالم اسلام" کا یوم منانے والوں نے یہ نقشہ لٹکایا ہے۔ غالباً یہ نقشہ اس لئے لٹکایا گیا ہے کہ ہال کی تزئین میں اضافہ ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ کھوپڑی میں بھیجا رکھنے والا کوئی شخص بھی کسی صوبائی نقشے میں عالم اسلام کی وسعت کی طرف کوئی اشارہ نہیں پاتا۔ لیکن پھر بھی یہ نقشہ اس لئے لٹکایا گیا ہے کہ آج "یہاں یوم عالم اسلام منایا جا رہا ہے۔"

اسٹیج کی دائیں طرف کچھ کرسیاں ہیں اور بائیں طرف بھی کچھ کرسیاں ہیں۔ بجلی کے پنکھوں کے نیچے لپے پتے چہروں والی کچھ نسوانی صورتیں ہیں۔ اس امت کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں پورے تبرج جاہلیت کے ساتھ "اسلامی حیا اور ترقی" کا نمونہ بنی بیٹھی ہیں۔ اس لئے کہ۔

"آج یہاں یوم عالم اسلام منایا جا رہا ہے۔"

دیسی صاحبوں کے جھرمٹ میں معزز سفراء بھی موجود ہیں۔ یہ اجتماع عالم اسلام کی ترقی بہبودی اور اتحاد کے سلسلہ میں منعقد کیا گیا ہے آج اس کے صدر سردار فرنگ نواز خان ہیں۔ یہ قوم کے بھی اتنے ہی وفادار ہیں جتنے کبھی فرنگیوں کے تھے۔ ان کی رگِ اسلامیت بہت سخت ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہیں اسلامی معاشرت سے دلچسپی نہیں ہے۔ ان کے طور و اطوار میں کہیں بھی اسلام کی

Marfat.com

وفاداری کا کوئی دھبہ نظر نہیں آتا۔ وہ پردے کے سخت مخالف ہیں۔ وہ نماز کا مضحکہ اڑانے کو فیشن سمجھتے ہیں۔ انہیں اسلام سے وفاداری کا دم بھرنے والا ہر شخص مُلّا نظر آتا ہے۔ انہیں ملاؤں سے نفرت ہے۔ اس لئے کہ ملّا بڑا کٹ حجّتی ہوتا ہے۔ کہتا ہے نماز پڑھو۔ کتنا جاہل ہے۔ یہ نہیں سمجھتا کہ یہ سردار صاحب کا اسلام پر کیا کم احسان ہے کہ وہ مسلمان کہلائے جانے پر راضی ہیں۔ کہتا ہے عورتوں کو پردہ کراؤ۔ یہ حسین حسین چہرے جو جلسوں کی رونق محفلوں کی جان اور مجلسوں کا نور ہیں، انہیں شرم و حیا کے دبیز پردوں میں بھلا کیوں چھپایا جائے۔ اور پھر پردے کے جواز میں قرآن میں سے آیات پیش کرتا ہے۔ حالانکہ نہیں جانتا کہ سردار صاحب کے پاس بھی ایک قرآن ہے اس میں پردے کا کہیں حکم نہیں ہے بلکہ پردہ اٹھا دینے کا حکم ہے۔ ملّا کی اسلام سے یہ کیسی ناواقفیت ہے، یہ تو صریحاً اجارہ داری ہے جو ملّا اسلام پر ثابت کرتا ہے۔ اسلام میں یہ ٹھیکیداری نہیں ہے۔ اسلام سیکھنا ہو تو سردار صاحب کے پاس سے سیکھو۔ اس لئے کہ وہ جلسہ یوم عالم اسلام کے صدر ہیں۔

"اور آج یہاں یوم عالم اسلام منایا جا رہا ہے"

اس جلسے میں اسلام کے کچھ نمائندے بھی شامل ہیں۔ جو اسلام کو ذاتی جائداد سمجھتے ہیں۔ اسلام کے ان سپوتوں کے سامنے اسٹیج پر جاہلیت اپنا ناچ دکھاتی ہے۔ اسلام کے اہم معاشرتی پہلوؤں پہ

حملے کرتی ہے۔ لیکن یہ احمد بن حنبلؒ کے ماننے والے۔ یہ ابو حنیفہؒ کے مسلک کے دلدادہ۔ دم سادھے۔ چپ چاپ۔ خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ حق ان کے سامنے ذبح ہوتا رہتا ہے لیکن ان کی رگوں کا خون سرد رہتا ہے اور ان کا دل پورے اطمینان سے سینے میں دھڑکتا رہتا ہے۔

یہ اسلام کے محافظ ہیں۔ یہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی سی حیثیت رکھنے کے دعویدار ہیں۔ لیکن مصلحت ان کے منہ پر تالے لگائے رکھتی ہے۔ جاہلیت قہقہے لگاتی ہے اور یہ سر جھکائے تاریکی میں الٹی لٹکی ہوئی چمگادڑوں کی طرح اپنی بے حسی پر ماتم کرتے رہتے ہیں شاید انھوں نے اپنے ضمیر سے کہہ دیا ہوا ہے کہ تو ہر اقتدار کے سامنے جھک جایا کر۔

آہ! آج یہاں یوم عالم اسلام منایا جا رہا ہے۔

یہ مسلمانوں کا اجتماع ہے۔ مسلمان ہی اس میں بولنے والے ہیں۔ مسلمان ہی اونچے ہیں اور وہی نیچے ہیں۔ مسلمان جس کا ایمان ہے کہ وہ برائی کو بزور روکنے یا کم از کم علی الاعلان رد کرنے پر مامور ہے۔ یہ وہی مسلمان ہے جس کے سامنے اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور مذاق وہ اڑاتے ہیں جو انھیں مسلمانوں کے آگے بڑھانے سے آگے بڑھے ہیں۔ انھیں کے اوپر اٹھانے سے اوپر اٹھے ہیں۔ انھیں کے نعروں اور انھیں کی

قربانیوں سے اُوپنچے بنے ہیں۔ لیکن اسلام کے ان پیروؤں کی زبانیں گنگ ہیں۔ اور اسلام کی ترقی کے لیے ہر شخص نے اسے ذبح ہونے کے لئے اپنے ہی قصابوں کے ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ آہ۔ یہ سب اسلام کے پیرو ہیں اور بھول گئے ہیں کہ انہیں ایک دن خدا کے سامنے حاضر بھی ہونا ہے۔ ان کے لئے یہ کیا کم ہے۔

"کہ آج یہاں یوم عالم اسلام منایا جا رہا ہے"

Marfat.com

یہ مینا بازار ہے

لوگ جوق در جوق پارسی جیم خانہ کی طرف جا رہے ہیں. بہت بھیڑ بھاڑ ہے تین تین فرلانگ لمبی قطاریں کھڑکیوں کے سامنے ٹکٹ کی منتظر پورے صبر و سکون سے کھڑی ہیں. اس قوم کے افراد کے صبر و استقلال کا مظاہرہ سینما کی کھڑکیوں کے سامنے ہوتا ہے یا ایسے ہی میلوں اور نمائشوں کے افتتاح پر. خوشبوؤں میں بسے ہوئے بنے سنورے ٹہلتے ٹہلاتے اس قوم کے نوجوان افراد چلے جا رہے ہیں۔ کچھ پتلونوں میں اور کچھ ساریوں میں ظاہری شکلوں میں کچھ نمایاں فرق نہیں ہے۔ زندگی کی تلخیوں کو۔ تمنائیں گالوں۔ سڈول جسموں اور بولتی آنکھوں میں گم کرنے کے لئے یہ سارا ہجوم ہے۔ یہاں مغل جاہلیت کے دور کا افتتاح ہو رہا ہے یہاں حسین اور مہذب خواتین دکانیں لگاتی ہیں. سودے کرتی ہیں اور اپنے کمال فن کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ لوگ جوق در جوق پارسی جیم خانہ کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اسلام کی سرپرستی میں جاہلیت اور فحاشی نے یہاں ایک نیا اڈہ کھولا ہے

یہ مینا بازار ہے۔

عوام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ مینا بازار بارہ بجے دن سے بارہ بجے رات تک کھلے گا۔ ریڈیو چیخ چیخ کر مسلمان عوام کو وہاں آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ اخباروں نے اپنے کالم اس جاہلیت کے اعلان و فروغ کے لئے وقف کر دیئے ہیں۔ ریڈیو نے اپنے اوقات میں اس اہم فریضہ کے اعلان اور اس کی تفصیلات کو جگہ دے رکھی ہے۔ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ وہاں بڑی اچھی اچھی "چیزیں" ہیں اور "چیزوں" کا مفہوم ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لے آتا ہے۔ مسکراہٹ اور گدگدی بار بار جانے کی اکساہٹ کے ساتھ۔ آخر ایک روپیہ ہی تو ٹکٹ ہے۔ شہر کے بہترین چہرے بہترین ملبوسات میں بہترین اداؤں کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیئے ہیں۔ حوصلہ ہو تو جا کر دیکھ لو۔ ایک انبوہ جمال اور ہجوم رنگ و بو اور پھر ریڈیو بھی تو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ یہ انوکھا بازار بارہ بجے دن سے بارہ بجے رات تک کھلا رہے گا۔ یہ ریڈیو بے وجہ تھوڑا ہی چیخ رہا ہے۔ عوامی تربیت کا یہ بھی تو ایک بہترین آلہ ہے۔ اور جو بھی اس پر قابض ہو گا وہ اپنے ذوق کے مطابق اس سے عوام کی تربیت کا کام لے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ریڈیو چیخ چیخ کر بارہ بجے دن سے بارہ بجے رات تک کھلنے والے مینا بازار

Marfat.com

کا اعلان کر رہا ہے۔

کوشش کی جا رہی ہے کہ ماحول بنایا جائے۔ اس لئے کہ حکومت نے اعلان کر دیا ہے کہ اس کے قانون کی بنیاد قرآن و سنّت پر ہو گی۔ اور عوام کو بھی اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ قرآن و سنت کے مطابق زندگی کو ڈھال سکیں اور زندگیاں ڈھلتی چلی جا رہی ہیں۔ شام کے انگریزی اخبار نے بتحریہ اعلان کیا ہے کہ تیس ہزار شہریوں نے ایک دن میں مینا بازار کا حج کیا۔ گویا تیس ہزار شہریوں نے ایک دن میں مینا بازار کی اسلامی تربیت گاہ کا کورس پاس کر لیا ہے۔ دیکھیے کس سُرعت سے ماحول تیار ہو رہا ہے۔ تیس ہزار افراد اسلامی حکومت کے شہری بننے کی تربیت پا گئے۔ اس تربیت گاہ میں تربیتی سامان بھی بہت کافی ہے۔ حسین چہرے، پُررونق آنکھیں۔ گلابی ہونٹ۔ چُست ملبوسات۔ مضطرب ادائیں۔ جوتے کے اڈّے۔ فقرے بازیاں۔ رکیک جُملے۔ بے حیائی اور بے شرمی کی باتیں۔ شراب کے فروخت ہوتے ہوئے جام۔ قوم کی ساقی گری کرنے والی بیٹیاں۔ خوشبوئیں، تھرتھراہٹیں، چلبلاپن اور اشارے بازیاں۔ مینا بازار کی تربیت گاہ زوروں پر چل رہی ہے۔ ہماری تربیت آپاؤں کے زیرِ اہتمام دی جا رہی ہے۔ اکابرین کی بیگمات رہنمائی فرما رہی ہیں۔ خود اکابرینِ ملت بھی ہمّت افزائی کے لئے

Marfat.com

تشریف لا رہے ہیں۔ ماحول تیار ہو رہا ہے۔ حکومت نے اعلان کر دیا ہے کہ وہ عوام کو قرآن و سنت کے مطابق زندگیاں ڈھالنے کے مواقع مہیا کرے گی اور وہ مواقع مہیا کئے جا رہے ہیں۔ یہ مینا بازار ہے۔

یہ مینا بازار ہے۔ آپاؤں نے مسلمان عورتوں میں ترقی اور روشن خیالی پھیلانے کی مہم شروع کر رکھی ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مسلمان ملک کو دنیا کے مہذب و متمدن ممالک کے سامنے شرمندگی خفت و دقیانوسیت کے الزام سے بچا لیا ہے۔ ان کے دم قدم سے یہاں کا مسلمان معاشرہ بے رونق اور بے روح نہیں ہے۔ ان کے مینا بازاروں نے معاشرے میں نئی روح دوڑا دی ہے۔ آپاؤں کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں بھی ملکۂ حسن کا انتخاب ہونا ضروری ہے تاکہ دنیا کی متمدن قوموں کے درمیان ہم سر بلند ہو کر چل سکیں اور ناک اونچی کر سکیں۔ اسلام کے نام سے ان کا سر نگوں ہوتا ہے اور فحش کاری اور حسن کی نمائش سے ان کا سر بلند ہوتا ہے۔ یہ مسلمان عورت کو قدامت اور شرم و حیا کے پردے سے نکال کر کلب کی روشنی میں لانا چاہتی ہیں۔ اسی لئے یہ مینا بازار لگایا گیا ہے تاکہ اسلامی ثقافت پھلے پھولے اور ترقی کرے اور ملک دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کے دوش بدوش کھڑا ہو سکے۔ اسی لئے یہ مینا بازار سجایا گیا ہے اور اس میں کیا شبہ ہے کہ جدید اسلامی ثقافت کا سب سے بڑا مظہر یہ مینا بازار ہے۔

Marfat.com

چہرہ اسلام

میرے برادرِ عزیز مستقبل کے پاکستان میں اسلام کے نفاذ کے تصور سے تیرا دل مسرت سے معمور اور ذہن حسین تصورات سے مالا مال ہے لیکن تیرے چہرے سے کبھی کبھی غم و اندیشہ کے بادل بجا دوں کے ابر باروں کی طرح پرچھائیاں ڈالتے ہوئے گزر جاتے ہیں جنہیں میں دیکھتا ہوں اور خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ تیرے دل کی کیا کیفیت ہے۔ تو جب اپنے ملک کے سربراہوں کے وعدوں کو دیکھتا ہے تو تیرا چہرہ مسرت سے تابناک ہوتا اور سرو قار سے بلند ہو جاتا ہے اور جب ان ہی وعدوں کو کتاب عمل میں پڑھتا ہے تو چہرہ غم و اندوہ سے حزیں اور سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ غم نہ کر کہ میں بھی اس غم میں تیرے ساتھ برابر کا شریک ہوں، فرق صرف یہ ہے کہ تو اندیشوں سے گھبرا اٹھا ہے اور میں تغیر و انقلاب کے عزائم لئے مرکب حالات پر پا بہ رکاب ہوں۔

تیرے ملک میں اسلامی وعدوں کے نقوش کتاب عمل کے صفحات پر کس طرح ابھر رہے ہیں۔ اس کی جھلکیاں دیکھنے کی ہمت ہو تو میری رفاقت

میں آ تا کہ میں تجھے ملک کے طول و عرض میں امنڈتے ہوئے طوفان اور گردش کرتی ہوئی آندھیوں کا نظارہ دکھاؤں تاکہ تو دیکھ سکے کہ تیرے ملک میں جدید اسلام کس طرح نافذ ہو رہا ہے۔

یہ دیکھ بارہ سو میل دور تیرے ملک کے دوسرے حصّے سے اسلامی ثقافت کے مظاہروں کے لئے ایک وفد آیا ہے۔ اس میں نوجوان لڑکے تیرے عزیز بھائی۔ اور نوجوان لڑکیاں تیرے ملک کی معزز بیٹیاں ہیں جو اسلامی ثقافت کی نمائندگی کرتے ہوئے ملک بھر میں پھر رہے ہیں۔ جگہ جگہ ناچ رنگ کی محفلیں منعقد ہو رہی ہیں۔ ملّتِ اسلامیہ کی یہ بیٹیاں اپنے فن کا مظاہرہ کس طرح تھرک تھرک کر رہی ہیں۔ فصلی ناچ۔ جیل ناچ اور ناگ ناچ ہو رہا ہے۔ یہ اسلامی رقص ہے۔ اسلامی فن کار ہیں اور ان کے اسلامی فن نے پورے ملک میں دھوم مچا دی ہے۔ ہماری اسلامی ثقافت سربلند ہو رہی ہے اور جدید اسلام ملک میں نافذ ہو رہا ہے۔

یہ اور منظر سامنے ہے۔ بڑے بڑے معزز لوگ تشریف رکھتے ہیں گیلریاں نوجوان اور آراستہ پیراستہ تماشائیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ان میں عورتیں ہیں۔ مرد ہیں۔ نوجوان ہیں۔ زندگی سے معمور اور عزائم سے بھرپور ہیں۔ سامنے میدان میں ملّت کی نوجوان بیٹیاں میچ کھیل رہی ہیں۔ رضیہ تھرکتی ہوئی دوڑتی ہے۔ رخشندہ ہانپتی ہوئی گرتی ہے۔

تنگ لباس، چست جمپر کمریں کسی ہوئی۔ یہ جہاد نہیں ہو رہا ہے بلکہ ترقی کی دوڑ میں پاکستانی قوم کی یہ بیٹیاں دوسری قوموں کے دوش بدوش چل رہی ہیں، چل نہیں رہیں بلکہ دوڑ رہی ہیں۔ دیکھنے والوں کو ان کے کھیلوں سے زیادہ ان کی حرکات سے دلچسپی ہے۔ اس طرح پاکستانی ملت اپنی بہو بیٹیوں کو ترقی کی دوڑ کے لئے تیار کر رہی ہے۔ تماشائی ہنس رہے ہیں، تالیاں پیٹ رہے ہیں اور اسلامی ترقی کے ان مظاہر پر مسرت کے نعرے بلند کر رہے ہیں اس لئے کہ ملک میں جدید اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

کلب کی فضا رونق سے چمک رہی ہے۔ رات کے بارہ بجے ہیں مسلمان صاحب اور مسلمان بیگمات ہر طرف سے پہنچ رہی ہیں صحن چمن میں قناتیں لگی ہیں۔ باجہ دھیمے سروں میں بج رہا ہے۔ ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ پاکستانی ملت کے افراد جو لا الٰہ کے نعرے پر یہ ملک حاصل کرکے آئے ہیں۔ مرد و زن باہوں میں باہیں ڈالے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے جھوم جھوم کر باجے کی دھیمی تان پر مست ہو ہو کر مخمور آنکھیں اور مدہوش حرکات لئے ڈول رہے ہیں۔ رقص کر رہے ہیں۔ رات کا ایک بج گیا ہے۔ اب دو بج رہے ہیں۔ شراب کا دور چل رہا ہے۔ بتیاں بجھتی ہیں جلتی ہیں۔ چہرے تمتماتے ہیں اور بیخود ہوتے ہیں۔ پاکستان کا اسلامی کلچر پروان چڑھ رہا ہے۔ یہ وہ کلچر ہے جو

Marfat.com

نئی قوم کے لئے تخلیق کیا جا رہا ہے تاکہ یہ کلچر اسلامی تہذیب کے سارے ہی تقاضوں کو پورا کر سکے۔ انہی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے یہ سارا ہنگامہ برپا ہے۔ قدیم کلچر میں سے ترقی کی نئی راہیں نکالنا بڑا مشکل کام ہے اور وہی مشکل کام یہ ہو رہا ہے۔ اس طرح اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے راہیں ہموار ہو رہی ہیں اور اس میں کیا شک ہے کہ ملک میں جدید اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

•

میرے عزیز رفیقِ سفر تو مڑ مڑ کر کیا دیکھ رہا ہے کیا تجھے گجرات کے ریلوے اسٹیشن پر مرحومہ حسین بی بی کی لاش کا تصور ستا رہا ہے۔ یا ملت کی اس مظلوم بیٹی کے رائگاں جانے والے خون کی یاد آ رہی ہے یا اس وقت کے وزیرِ اعلیٰ صاحب کے بلند بانگ دعوے یاد آ رہے ہیں یا پھر رحیماں بی بی کے فریادی چہرے نے تجھے پریشان کر دیا ہے۔ تو حیران ہے کہ جو قوم دس لاکھ افراد کو کٹوا کر ایک بھاری عزم اور عہد کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ کیا اسے یہاں آ کر یہی کچھ کرنا تھا۔ یا تو اس لئے حیران ہے کہ اسے غیر مسلم غنڈوں کے مقابلے میں مسلم غنڈے پسند تھے۔ اس لئے اس نے اپنا علیحدہ گھر بسایا تھا یا تو روزانہ اخباروں میں قتل و غارت گری اور اغوا و بداخلاقی کی وارداتوں سے پریشان ہو گیا ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو تیری یہ حیرانی اور پریشانی بے سبب نہیں ہے۔ لیکن محترم بھائی تجھے پریشان ہونے

Marfat.com

کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ صورتِ حال صرف اس لئے تیار کی گئی ہے تا کہ قوم کے اندر کی ساری برائیاں اس کے اندر سے بالکل باہر نکل آئیں۔ اور اس کے اندر مزید کسی برائی کے داخل ہونے کے لئے گنجائش باقی نہ رہے۔ یہ کام ہماری قوم اس لئے کر رہی ہے تا کہ بہتر فضا تیار کرنے کے لئے زمین ہموار ہو سکے اس لئے کہ اس ملک میں جلد ہی اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

میرے بھائی اپنے ملک میں ہو سکے تو سیاست کی وادی پُر خار میں کبھی قدم نہ رکھنا اس لئے کہ یہ وادی صرف چند برہمنوں نے اپنے لئے وقف کر لی ہے اور پوری قوم کی حیثیت ان کے مقابلے میں شودر کی ہے۔ سیاست کی تگ و دو کے لئے یہاں مخصوص قسم کے اخلاق اور ضمیر اور مزاج کی ضرورت ہے جو بنگلوں میں پرورش پاتا اور جوڑ توڑ کے ماحول میں پروان چڑھتا ہے۔ یہاں کی مارکیٹ میں سب سے کم حیثیت اور بے حقیقت شے اصول پرستی ہے۔ یہاں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسلام کے نفاذ کے لئے ضمیروں کے سودے ہوتے ہیں۔ لوگ راتوں رات ضمیر بیچ کر کرسیاں خرید لیتے ہیں۔ لوگوں کو اسلامی نظام کے لالچ دے کر انہیں گھیر کر مارکیٹ میں لے جایا جاتا ہے اور وہاں بے حقیقت ووٹوں کے عوض بیچ دیا جاتا ہے۔ یہاں بڑے بڑے معززینِ سیاست صبح وعدہ کرتے ہیں اور شام کو توڑتے

ہیں اور رات کو سونے سے پہلے پھر ایک نیا وعدہ کرتے ہیں اور صبح کو آنکھ کھلتے ہی اس سے بھی انحراف کا اعلان کر دیتے ہیں یہ سب کچھ عوام کی خدمت کے لئے کیا جاتا ہے۔ وعدوں کے یہ کاروبار کرسیوں کے عوض ہوتے ہیں تاکہ اسلامی نظام کا راستہ ہموار ہو سکے اس لئے کہ اس ملک میں جدید اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

میرے دوست یہاں اونچی اونچی بارگاہوں میں رشوتوں کے نذرانے اسی عقیدت سے پیش کئے جاتے ہیں جیسے پیروں کے سامنے مریدوں کی نذریں جاتی ہیں۔ یہاں نقدی کے ساتھ آبرو ئیں بھی نذر کی جاتی ہیں۔ موٹریں اور بنگلے نذر ہوتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ جُبّے میں ہار کر بھی نذر پیش کی جاتی ہے۔ یہاں اونچے بنگلے ان آمدنیوں سے بن جاتے ہیں جن کا حساب کسی کھاتے میں درج نہیں کیا جاتا۔ یہاں "ھٰذا من فضلِ ربّی" کے کتبوں کے ساتھ ایسی عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں۔ جن کے گارے کے لئے غریبوں کا لہو اور مسکینوں کا رزق کٹ کر آتا ہے۔ جن کی اینٹیں حقداروں کی ہڈیوں سے بنتی ہیں اور جن کا چوہڑ بھی اسلامی مملکت کے حدود کے اندر ایک تکلیف دہ ناسور اور ایک ناپاک غلاظت سے بدتر ہوتا ہے لیکن اس میں روز افزوں ترقی اس لئے ہو رہی ہے کہ یہاں جدید اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

میرے ہم وطن تیرے اس ملک میں بڑے بڑے ذہین لوگ بستے ہیں. جن کے ہاتھوں میں اس وقت ملک کی عزت و آبرو ہے۔ یہ ملک اسلام کے تصوّر جداگانہ قومیت پر قائم ہوا ہے اور اسی تصوّر پر یہ قائم ہے لیکن اس کے محافظین کا یہ عالم ہے کہ وہ جب جلسوں میں آتے ہیں تو عوام کو اپنی جداگانہ قومیت کا یقین دلاتے ہیں اور جب اسمبلیوں کے اندر اپنے ہم مشرب لوگوں کے درمیان ہوتے ہیں تو انہیں یقین دلاتے ہیں کہ غیر مسلم اور مسلم کا ہمارے نزدیک کوئی سوال نہیں ہے ہم ایسی تنگ نظریوں سے بالاتر ہیں اور "من تو شدم تو من شدی" ہمارا اصول ہے اس لیئے کہ ہم "تنگ نظر ملاّ" نہیں ہیں اور وہ "تنگ نظر ملاّ" جو یہ بات بار بار دہرا رہا ہے کہ اسلام نے کافر و مسلم میں فرق کیا ہے وہ کیا جانتا ہے کہ اسلام کیا ہے۔ اس لیئے کہ جدید اسلام ہم ہی بنائیں گے۔ اور ہم ہی اس کے اسرار و معارف سے واقف ہیں اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام جدید "تقاضوں" کے ساتھ یہاں نافذ ہو رہا ہے۔

عزیز دوست ملک کے ان حالات کو تو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے کہ یہ ملک ترقی کی کیسی کیسی منزلیں مار رہا ہے۔ اس ملک میں ایسے ایسے اسلام کے پابند اور ذمہ دار ترین افراد ہیں جو قوم کی خدمت کو اپنا فرض سمجھتے ہیں، اس خدمت کے سبب ان پر لاکھوں روپوں کے ہیر پھیر کے الزام آتے اور جیلیوں مقدمے چلتے ہیں تو وہ پرواہ تک نہیں کرتے

Marfat.com

اخبارات ان پر سمگلنگ تک کے الزامات لگاتے ہیں لیکن وہ جواب جاہلاں باشد خموشی کے اصول پر نہایت صبر و سکون کے ساتھ مسلسل عوام کی خدمت کئے چلے جاتے ہیں۔ نہ انہیں کسی سے گلہ ہے۔ نہ کسی پر افسوس ہے صبر و تحمل اور ضبطِ نفس کے یہ مجسمے خاموش رہ کر اپنا فریضۂ خدمتِ ملت ادا کئے چلے جاتے ہیں۔ ایسے نمونے اس قحط الرجال کے زمانے میں اس لئے سامنے آ رہے ہیں کہ ملک میں انہی حضرات کے ہاتھوں جدید اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

•

عزیز ہمسفر! نہ بد دل ہو اور نہ حیران، صرف حالاتِ زمانہ کی اس فلم کو دیکھ جو تیرے ملک کے صاحبِ اختیار لوگ تیرے سامنے چلا رہے ہیں اور اس فلم میں خود بھی اداکار بنے ہوئے اپنے کرداروں کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہ تیرے سامنے ریس کا میدان آ گیا ہے جس میں جا کی گھوڑوں پر سوار مستعد اور ہوشیار بیٹھے ہیں۔ تماشائی گیلریوں میں تیرے ملک کی باگ ڈور سنبھالنے والے بھی موجود ہیں اور بڑھ بڑھ کر بازیاں لگ رہی ہیں۔ ہزاروں کے وارے نیارے ہو رہے ہیں۔ اس طرح جوئے کے اس وسیع کاروبار کو چلانے کے لئے اور اس معصوم تفریح میں حصہ لینے کے لئے رشوتوں کا جال اکاس بیل کی طرح قومی وجود کے چاروں طرف پھیل گیا ہے۔ تو کیا جاننا ہے کہ اس ریس کے کاروبار کو چلتا رکھنے کے لئے دیہات

کے معصوم کسان تک کی جیب کاٹ لی جاتی ہے۔ بہرحال تیرے لئے یہ اطمینان بہت کافی ہے کہ اس ملک کے حکمرانوں نے جدید اسلامی دستور کے نفاذ کا تہیہ کر لیا ہے اور اب یہاں جدید اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

ننگی اور عریاں تصویروں کے اس عجیب مرقع نگار خانے کو رک رک کر دیکھنے کی ضرورت نہیں جو سینماؤں کے اشتہارات بن کر گلی کوچوں میں کارواں در کارواں پھرتا رہتا ہے۔ ایک طوفان بدتمیزی اٹھاتا ہوا۔ رنگ برنگ کے پوزوں کے ساتھ عملی مظاہرے تصویروں میں پیش کئے جاتے ہیں اور بازار سے گزرنے والے ہر مرد عورت اور بچے کو بتایا جاتا ہے کہ ملک کو کدھر جانا چاہئے۔ کالجوں کے طلباء اور اوباش نوجوان اس رواں دواں ناچ رنگ اور موسیقی کے کاروانِ سُر تال پر سر دھنتے ہاتھ جھٹکتے اور بدن لہراتے ہوئے چلتے ہیں۔ یہ وہ نئی نسل ہے جو ملک کے اندر ایسی تربیت گاہوں کے ایک وسیع جال میں تربیت پا پا کر آگے بڑھ رہی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اسے ایسی ہی تربیت دینے کا انتظام کرنا ضروری ہے کیوں کہ ان پر آئندہ چل کر بھاری ذمہ داریاں عائد ہونے والی ہیں اور اب اطمینان رکھ کہ اس ملک میں جدید اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

Marfat.com

تیرے لئے یہ کیا کم خوشی کا مقام ہے کہ تیرا لیڈر طبقہ خدا اور رسولؐ کی وفاداری کا عہد کرتا ہے اور قرآن و سنّت کے مطابق اپنے ملک کے باشندوں کو لے چلنے کا دعوے کرتا رہتا ہے یہ الگ بات ہے کہ دستور سازوں کی سرپرستی میں یہاں ایسے ادارے بھی چل رہے ہیں جن کو مالی امداد تک دی جاتی ہے کہ وہ اپنے عوام میں خدا سے غفلت اور رسولؐ کی سنّت سے ہٹ کر چلنے کو ذہنشین بنا دیں۔ یہاں اسلامی ثقافت کے نام پر اسلامی اقدار کی جڑیں کھودنے کے لئے باقاعدہ تحقیقی کام کئے جاتے۔ رسائل نکلتے اور کتابیں طبع کی جاتی ہیں۔ اس اسلامی نظام چاہنے والے ملک میں رسولؐ کی سنّت کے خلاف باقاعدہ ادارے چلائے جا رہے ہیں اور ان کو بڑی اونچی بارگاہوں کی سرپرستی حاصل ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ ہمارے ملک میں جدید اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

عزیز ساتھی تجھے یہاں جمہوریت بہت خطرے میں نظر آ رہی ہے۔ تو انتخابات کا بار بار ذکر کرتا ہے کہ ملک کے وجود میں آنے کے بعد ایک مرتبہ بھی آزادانہ انتخابات نہیں ہوئے اور نہ مستقبل قریب میں ہونے کا امکان ہے۔ تو نے جو چھوٹے موٹے انتخابات دیکھے تو ان سے اندازہ کیا کہ یہ انتخابات نہیں ہیں بلکہ ظلم و تشدد، جبر و زیادتی،

Marfat.com

ضمیر فروشی اور دھونس، دھوکا، دھاندلی، دشنام اور دھن پہلو بہ پہلو چلتے ہوتے نظر آتے ہیں اور انتخابات میں حصہ لینا ایک شریف آدمی کے لیے بالکل ناممکن بنا دیا گیا ہے اور اب یہ کسی بھلے آدمی کے بس میں نہیں ہے کہ اپنے روایتی آداب شرافت و سنجیدگی کو ساتھ لے کر انتخابات میں حصہ لے سکے۔ اب یہاں ملّوں کے مالک اپنے مزدوروں کی تنخواہ کی رقمیں لے کر ان انتخابات میں کودتے ہیں اور تو اس پر اس لئے بھی حیران ہے کہ یہاں اسلام لانے کا وعدہ ہو رہا ہے لیکن میرے دوست اگر زندگی کے انقلابی مراحل سہولت اور تن آسانی سے گزر سکتے تو تجھے میدانِ جہاد کا اجر کہاں سے ملتا۔ تجھے حنین و بدر کے معرکوں کی شدت کا احساس کیسے ہوتا۔ اب تو صورتِ حال اپنی ساری تلخ حقیقت کے ساتھ تیرے سامنے ہے کہ شیطان اپنا تخت بچانے کے لئے اپنے سارے ہتھیار استعمال کر رہا ہے اور قوم یہ خواب دیکھنے میں محو ہے کہ یہاں اسلام نافذ ہو رہا ہے۔

عزیز دوست الفاظ کے اس بے روح ڈھانچے میں تیری رگوں کا خون ہی گرمی اور زندگی پیدا کرے گا۔ زمانہ اور خدا کے فرشتے تجھ سے ایسی ہی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔

Marfat.com

ایک مقدمہ

آخرت کی عدالت میں ایک ملت کے مقدمے کا تصور میرے ذہن میں ابھرا جس میں قائدِ اعظم اور علامہ اقبال کے نام نمایاں تھے۔ اس سب سے اونچی بارگاہ میں جہاں ہر بلندی پست ہے اور ہر بڑائی خوار و زبوں ہے، ان حضرات سے ایک نئے ملک کے متعلق کوئی سوال پوچھا جانے والا تھا۔ وہ سوال بھی میرے ذہن میں اسی طرح گونجا تھا جیسے کسی نے پکار کر سنا دیا ہو۔ وہ سوال ارضِ پاک کے مقصدِ وجود کے متعلق تھا۔ اس کے مقصدِ وجود کے تعین کی گواہی خدا کے بے شمار فرشتوں کے ساتھ علامہ اقبالؒ بھی دینے والے تھے۔ غالباً وہ گواہی یہ تھی کہ ارضِ پاک کے وجود کا مقصد اللہ کی حاکمیت کا قیام تھا۔ دینِ اسلام کو سربلند کرنا تھا۔ سربلندی عددی برتری سے نہیں بلکہ غلبے سے ممکن تھی۔ خدا اور اس کے رسولؐ کو قانون کا منبع قرار دینا مقصود تھا۔ اس جواب طلبی میں برِصغیر کے طول و عرض سے پوری ایک ملت، انسانوں کے گروہوں کے گروہ گواہی دینے کے لیے آ رہے تھے جو اپنا خون بہا اور قصاص طلب کر رہے تھے۔

پانچ دریاؤں کا پورا علاقہ الٹ کر آ گیا تھا۔ بنگلہ دیش کا پورا نمونہ آیا تھا۔ ماؤں کی جھولیوں میں شیر خوار بچوں کے کٹے ہوئے سر تھے، باپوں کی گودوں میں نیزوں اور برچھوں سے چھدے ہوئے لاشے تھے۔ ملت کا لٹا ہوا وقار اپنے دامن میں بوڑھوں کی اجڑی ہوئی سفید داڑھیاں لایا تھا۔ ملت کی حیا اپنے سینے پر لٹی ہوئی عصمتوں اور آبروؤں کے زخم لائی تھی۔ خون کے دریا آئے تھے لٹتی اور جلتی ہوئی جائدادیں آئی تھیں۔ بیاس کے پاس کٹنے والے اور سیلاب میں غرق ہونے والے کمزور و نحیف قافلے آئے تھے۔ کیمپوں میں مرنے والوں کے ڈھانچے آئے تھے اور نہ معلوم کیا کیا کچھ آیا تھا۔ دکھ درد ذلت و تباہی ان کی پیشوائی کر رہے تھے اور عدالتِ الٰہی میں جواب طلبی ہو رہی تھی۔ جرح یہ تھی کہ اگر اس خطے کو حاصل کرنے کا مقصد اللہ کے دین کی سربلندی تھا تو یہ سب کچھ ثواب تھا یہ سب کچھ حسین و جمیل متاع کی شکل میں قائد کے نامۂ اعمال میں ڈال دیا جانے والا تھا اور اگر اس کا مقصد چند اشخاص کی خدائی قائم کرنا تھا۔ ملت کو لوٹ کر چند افراد کے گھر بھرنا تھا۔ امتِ محمدی کے خون سے چند عیاشوں کے باغِ عشرت سینچے جانے مقصود تھے تو یہ سب کچھ ایک بھیانک انبارِ معصیت کی شکل میں بیچارے قائد کی میزان عمل میں ڈال دیا جانے والا تھا۔

یہ مقدمہ بڑا ہی خوفناک اور عبرتناک تھا۔ قائد کو اپنی برائیت کا اظہار کرنا تھا۔ وہ انگلیوں پہ ان لوگوں کے نام گن رہا تھا۔

Marfat.com

جو اس کے لفٹننٹ تھے لیکن جنہوں نے اس کی غیر موجودگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر نیکی کے دھارے کا رُخ پھیر کر اسے اپنی خواہشات کی گندی نالی کی طرف بہا دیا تھا جنہوں نے لا الٰہ کا مطلب اپنے عمل سے اپنی خدائی قرار دیا تھا جنہوں نے اسلام کا نام لے کر کفر کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے اور اسلامی معاشرت کا نام لے کر ثقافتی تہذیب کی رقص گاہیں تیار کر دی تھیں تاکہ شرم و حیا اور عصمت و غیرت کو سرحد پار کر دیا جائے۔ جنہوں نے قوانین کے ذریعے قرآن و سنت کے اسلام کا گلا گھونٹ کر اسے مسجدوں کے حجروں میں مقید کرنے کی ٹھان لی تھی تاکہ اپنا جدید ساختہ یورپ اسلام نافذ کر سکیں۔

"قائد" اپنی مدافعت میں جو کچھ پیش کرنے والا تھا وہ اگر ارض پاک کی موجودہ قیادت سن لے تو شاید "قائد" پر بھی سیفٹی قوانین کا پھندہ ڈالنے کے لیے دوڑ پڑے۔

اجنبی کی آمد

ذہنی سانچہ جاہلیت سے تائب ہونے کے بعد نئے ڈھب پر لکھنے سے گھبرا رہا تھا۔ جہانِ افکار میں ایک شدید توڑ پھوڑ کے بعد جو ملبہ پڑا تھا میرے تصوّر میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ وہ پھر کسی نئی عمارت کی شکل اختیار کر سکے گا۔ یہاں پہلے ایک کاسموپولیٹن قسم کا کلب تھا ہر قسم کے کردار اس میں آتے جاتے تھے۔ اب اس کلب کو میں نے ڈھا دیا تھا۔ اس توڑ پھوڑ کے بعد میرا ادبی وجود تقریباً بے گھر سا ہو گیا تھا۔ پیچھے کے راستے مسدود تھے۔ آگے کوئی راہ نہ تھی۔ پیچھے خاردار جنگلہ لگ گیا تھا۔ آگے کوئی پگڈنڈی نظر نہ آتی تھی۔ میں حیران اور ششدر کھڑا تھا اور گمان ہو رہا تھا کہ وہ ادیب مر گیا جو اس کلب کا روحِ رواں تھا۔ اور چونکہ مرنے والا اپنا کوئی جانشین نہیں چھوڑ گیا تھا۔ اس لئے اب کسی نئی تعمیر کے کوئی امکانات نظر نہ آتے تھے۔

یہ انہیں دنوں کی بات ہے کہ میرے ذہن میں ایک تمثیلچہ ابھرا۔

چین میں اشتراکی انقلاب مکمل ہو گیا تھا۔ چیانگ کائی شیک دم

توڑ رہا تھا۔ اشتراکیت نے پورے چین کو اپنے دامن میں لے لیا تھا۔ اس طرح شمال کے ساتھ مشرق سے بھی اشتراکیت آلود ہوائیں چلنے لگی تھیں۔

اشتراکیت شاداں و فرحاں ہواؤں کے دوش پر ایک فاتح کی حیثیت سے آگے بڑھ رہی تھی۔ چین سے ایک تند و تیز جھونکا آیا۔ چین پر کمیونزم سوار ہو کر آیا تھا وہ اپنے عالم تصور کے آئندہ مفتوحہ ممالک کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ اس نے اس جھونکے کے دوش پر برما اور ہندگون کی سیر کی تھی۔ آسام کے جنگلوں میں بھٹکا تھا۔ ملایا کے ربڑ کے جنگلات میں گوریلا وار لڑنے کے منصوبے بنائے تھے۔

■ بھارت میں تلنگانہ کا جائزہ لیا۔ کیرالا میں ٹھہرا۔ مدراس کے دیہاتوں اور قصبوں کو کھنگالا اور ریاست ٹراونکور اور کوچین کو اپنے لیئے زرخیز پایا۔ آندھرا کے میدانوں میں رقص کناں رہا۔ اور پھر اپنے ہوائی گھوڑے پر شمال مغرب کی طرف چلا۔

اچانک ایک دل دہلا دینے والے اور رگوں کا خون خشک کر دینے والے حکم نے اسے مملکت پاک کی سرحد پر روک دیا۔

■ "یہ اجنبی کون ہے جو اس سرزمین میں داخل ہو رہا ہے۔" آواز میں سنجیدگی۔ وقار۔ پاکیزگی۔ متانت اور رعب تھا۔

■ "میں کمیونزم ہوں اور اپنے آئندہ مفتوح ہونے والے ممالک کا دورہ کر رہا ہوں۔ تو کون گستاخ ہے جس کی جان اتنی ارزاں ہے کہ

Marfat.com

کمیونزم کو روکنے کی سعی رائگاں کر رہا ہے۔ ایک چنگھاڑ۔ گرج، چیخ اور ہولناکی کے امتزاج نے جواب دیا۔

میں اس سرزمین کا مالک ہوں۔ میں اس سرزمین کے فرزندوں کا دین ہوں۔ یہ سرزمین میرے ہی لئے حاصل کی گئی ہے۔ میں اسلام ہوں۔ ایک پُرعزم جواب تھا۔

▪ انفرادی ملکیت کا تصور میرے نزدیک سب سے بڑا جرم ہے۔ جو زمین پر سرزند ہو سکتا ہے۔ راستہ صاف کرو میں آگے بڑھتی ہوئی انسانیت کا نجات دہندہ ہوں۔ ورنہ سائبیریا کے جہنم زاروں میں تجھے اور تیرے لاڈلے فرزندوں کو ایڑیاں رگڑنی ہوں گی۔" شیطانی چنگھاڑ نے دھمکایا۔

" میرے عزیز دوست۔ راستے جبر سے صاف نہیں ہوا کرتے اور ہو جائیں تو بہت جلد پٹ جاتے ہیں۔ فکری راستے نظریات کی تیغ سے صاف ہوتے ہیں۔ جس انسانیت کی نجات دہندگی کا علم لئے ہوئے تم آگے بڑھ رہے ہو اس انسانیت کو تم نے کیا دیا ہے۔" اسلام نے پوچھا۔

" روٹی " جواب ملا۔

▪ روٹی تو اس جہان کا ہر ذی روح کھاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک معمولی حیوان اور چوپایہ بھی تم نے انسانیت کو حیوانیت سے ممیّز کرنے کے لئے اسے کیا دیا ہے۔" پوچھا گیا۔

▪ اس سے زیادہ مانگنا اور اس سے زیادہ سوچنا میرے نزدیک ملامت ہی

انقلاب کے خلاف بغاوت ہے اور ایسے باغیوں کو مزہ چکھانا میں خوب جانتا ہوں۔ اور اب تم میرا راستہ چھوڑ دو۔ زیادہ شور نہ مچاؤ تم کسی لوبڑدا تہذیب کے بوڑھے چوکیدار معلوم ہوتے ہو۔" کہا گیا "یہ ملک میری کھیتی ہے۔ میں نے ابھی ابھی اس میں نیکی کا نظریاتی بیج بویا ہے۔ میں اس کا رکھوالا ہوں۔ میں اس میں کسی ناپاکی کو داخل نہ ہونے دوں گا۔ اپنے ملک کی حفاظت میں مر جانا میرے مسلک میں شہادت ہے اور شہادت وہ موت ہے جس کی تمنا میرے ہر فرزند کے سینے میں ہمیشہ پرورش پاتی رہتی ہے میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ واپس جاؤ اور اپنی ان پناہ گاہوں کو مضبوط کرنے کی فکر کرو جہاں میں نیکی کی فصل اگا کر اخلاق کے اسلحہ سے تم پر حملہ آور ہونے والا ہوں۔ جاؤ!" ایک پرعزیمت آواز نے حکم دیا۔

اور اجنبی واپس پلٹ گیا۔

"اچھا۔ میں اپنی مصلحت کے تحت ابھی واپس جاتا ہوں۔ میں اپنے غضبیہ دستے تیار کر کے یہاں دوبارہ یلغار کروں گا۔ میں اپنے جبری کیمپوں کے لاکھوں مزدوروں کے ذریعے تمہاری اس کھیتی کو تاخت کروں گا۔ میں اس سرزمین کے فرزندوں کو آپس میں لڑاؤں گا۔ ان میں ہزار اختلافات اور فتنے جگاؤں گا۔ پھر تم دیکھ لینا کہ زیادہ قوی کون ہے۔ اور کس کا سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے تمہاری یہ قلعہ بندی اس روز ریت کی دیوار بن جائے گی۔" جانے والے نے کہا

Marfat.com

"پریشان اجنبی! تمہیں اب تک فکر اور اصول سے پالا نہیں پڑا ہے۔ تم صرف نعروں سے واسطہ رہا ہے۔ تم نے قومیت کی چٹانوں کو توڑا ہے۔ لیکن تم اپنا ہتھوڑا کسی صالح نظریہ پر چلا کر اسے توڑ نہیں سکتے۔ اس کے لئے تمہیں نظریات کے میدان میں جیتنا ہو گا۔ جاؤ انتظار کرو۔ میں بھی منتظر ہوں۔ جب ہم ایک بار فیصلہ کن انداز میں معرکہ آرا ہوں گے" محافظ نے کہا۔

اجنبی خاموشی سے واپس جا چکا تھا۔ روحِ اسلام اپنی نظریاتی مملکت پر پہرہ دے رہی تھی۔

Marfat.com

میرا دل چاہتا ہے

تلخ و تند جذبوں اور تیز و بے باک ولولوں کا ایک ریلا ہے کہ بارہا میں نے دل و دماغ کی وسعتوں میں گردش کرتے ہوئے محسوس کیا ہے۔ کتنی ہی ان کہی باتوں کے قافلے میں نے دل کی وادیوں میں پریشان پائے ہیں اور کتنے ہی جانباز اور جری خیالات میں نے ذہن کی تنگنائوں میں گردش کرتے ہوئے محسوس کئے ہیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی شوخ و سبکسار جذبے نے چاہا کہ میرے شعور کی آنکھ بچا کر زبان کی راہ سے نکل جائے یا قلم سے چھوٹ کر ٹپک جائے لیکن میں نے اسے ہمیشہ روکا ہے اور خیالات پر اپنی احتسابی گرفت ہمیشہ مضبوط رکھی ہے تاکہ کوئی سرکش خیال دل و دماغ کے قید خانے سے نہ نکل بھاگے۔ لا تعداد ہی جذبے ہوں گے اور بے شمار ہی ولولے ہوں گے جنہیں میں نے مدتوں نظر بند رکھا ہے اور وہ قلب و ذہن میں مدتوں دھوم مچاتے رہے ہیں۔

بارہا میرا دل چاہا ہے کہ ان جذبات کو الفاظ کے لباس پہنا پہنا کر دنیائے ہست و بود میں آجانے دوں اور بارہا یہ سوچ کر

خاموش ہو گیا ہوں کہ اس رزمگاہ میں ایسے کھلاڑی اتر آئے ہیں جو شجاعت کی مدوح سے اتنے ہی عاری ہیں جتنے ان کے دل عیش و آرام کی تمنا سے بھرپور ہیں۔ ایسے نازک آبگینوں کو تو کبھی تو کیلے لفظ کی ایک چبھن بھی رلا سکتی ہے۔ یہ بھلا کسی تلخ نوائی کے کیا حریف ہوں گے۔ لیکن میرا دل ضرور چاہا کرتا ہے کہ کچھ کہوں اور اتنا چیخ چیخ کر کہوں کہ بہرے بھی میری آواز کو پوری طرح سن لیں۔ اور وہ بھی جنہوں نے حق کی طرف سے اپنی بصیرت کے کانوں میں انگلیاں دے رکھی ہیں۔

بارہا میرا دل چاہا ہے کہ ارضِ پاک کے حاکمِ اعلیٰ سے کہوں کہ اے خدائے مطلق کے عاجز بندے جس دین کا تو نام لیوا ہے۔ اس کے پیروؤں میں تو ان بندگان خدا سے تو ضرور واقف ہوگا۔ جنہیں تاریخ ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے نام سے یاد کرتی ہے۔ ذمہ داری کے لحاظ سے بھی تو اسی مقام پر کھڑا ہے جس پر وہ مقدس ہستیاں تھیں جو تاریخ کے دامن میں اپنی آب و تاب کے لحاظ سے بیش بہا موتی تھے۔ جب انہیں خدا نے اپنے لاکھوں بندوں پر اقتدار دیا تو انہوں نے کس طرح اپنے اختیارات کو استعمال کیا تھا۔ کس طرح ذمہ داری کے احساس سے ان کی راتوں کی نیندیں حرام ہو گئی تھیں کس طرح انصاف اور اخوت و مساوات میں انہوں نے انسانی

Marfat.com

تاریخ میں ایسی مثالیں قائم کردی تھیں۔ کس طرح بڑی سے بڑی فتح کے موقع پر بھی انہوں نے غلاموں کو اونٹوں پر بٹھا کر اور خود اونٹ کی نکیل تھام کر ثابت کردیا تھا کہ اصل شوکت اخلاق اور تقوے کی ہے نہ کہ شاہانہ حشمت اور بناوٹی شان و شکوہ کی۔ کس طرح انہوں نے بھرے مجمعوں میں جاہل سے جاہل اعرابیوں کے سخت سے سخت اعتراضات کا پوری نرم دلی سے جواب دیا تھا۔ کس طرح صداقت اور سچائی کی روح کو انہوں نے یہ کہہ کر فروغ دیا تھا کہ جب تک ہمارے درمیان ایسے حق گو لوگ موجود ہیں۔ ہمیں امتِ مسلمہ میں فساد کا خطرہ نہیں ہے۔ اور کسطرح بے لاگ تنقید کے موقعوں پر انہوں نے ہمیشہ یہ کہا کہ اگر یہ حق بات بے لاگ ہمارے منہ پر نہ کہیں تو ان میں خیر نہیں اور اگر ہم حق بات کو سکونِ قلب سے نہ سنیں تو ہم میں خیر نہیں۔

بارہا میرا جی چاہا ہے کہ اپنے ملک کے وزراء سے کہوں کہ محمدی ثقافت کو ترک کرکے یہ تم نے کیا اختیار کر رکھا ہے۔

جھومر ——— ؟
جوان لڑکیوں کی دیدہ زیب قطاریں!
اعلیٰ ملازمتوں کے انٹرویوں میں بے پردگی کو سندِ اہلیت!
مینا بازار ——— ؟

ملک بھر میں فحش گانے والے ریڈیو۔ ! شراب خانوں کی قطاریں اور قحبہ خانوں کے آباد و پُر رونق محلے۔

شہر شہر میں قدم قدم پر فحش تصویروں والے سینما۔!

سچ بتاؤ خدا کے سامنے اور حضورؐ کی موجودگی میں کیا اس کو تم اسلامی ثقافت کہہ کر پیش کر سکو گے؟

میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے ملک کے علمائے سو سے مؤدبانہ گذارش کروں کہ اے منبر رسولؐ پر قابض بزرگو۔ اور اے امتِ مسلمہ کی رہنمائی کے مدعیو۔ یہ دین کے منبر کو چھوڑ کر دنیا پرستوں کی کاروں کے پیچھے دوڑنے میں تم اتنے بادپا کیوں ہو گئے ہو۔ کوئی غرض پرست ایسا نہیں رہا جس نے اپنے اعمالِ قبیحہ کے جواز کے لئے تم میں سے کسی نہ کسی کو دینِ قیم کا استہزا کرنے کے لئے مامور نہ کر رکھا ہو۔ تم جو امام ابوحنیفہؒ کی پیروی میں سعادت سمجھتے ہو۔ جانتے ہو کہ وہ تو بادشاہوں کے درباروں میں بھی جانا حرام سمجھتے تھے۔ تم جو احمد بن حنبلؒ کے مدح خوان ہو۔ جانتے ہو کہ وہ تو حق کے لئے برس ہا برس تک کوڑے کھا سکتے تھے۔ اور جابر بادشاہوں کے سامنے کلمۂ حق کہہ کر جیل جا سکتے تھے تم جو امام مالکؒ کے معترف ہو۔ جانتے ہو کہ وہ تو حق کے لئے سخت سے سخت اذیت سہہ سکتے تھے۔ تم نے تو امام شافعیؒ کی حق پرستی کا بھی ساتھ چھوڑ دیا۔ تم نے تو امام حسینؓ کے جذبہ قربانی کو بھی سرِ بازار

رسوا کر دیا۔

میں تم سے کیا کہوں کہ تم نے ہر قدم پر اللہ اور اس کے نبیؐ کے احکام سنائے اور پھر ہر قدم پر انہیں احکام سے چشم پوشی کی تم نے شاہوں کو للکارا اور انہیں کے ہاتھوں بک گئے۔ تم نے حق کی پشت پناہی کی اور اسے ہی پیٹھ دکھا گئے۔ جب بھی باطل نے مصلحت اور مکرو فریب کا ہاتھ تمہاری طرف بڑھایا۔ تم نے ہمیشہ بصیرتِ مومن کو بالائے طاق رکھ کر اسے چوم لیا۔ بلخ بخارا اور سمرقند جہاں سے امام بخاریؒ جیسے بزرگانِ دینؒ اٹھے اور جہاں صدیوں اسلام سربلند رہا وہاں تم نے دہریوں اور کمیونسٹوں کے ہاتھوں میں خود اپنے ہتھیار دیئے اور جب انہوں نے تمہاری ایک ایک گردن سے خون بہا دیا اور تمہاری مساجد کے ہر مینار پر لکھ دیا کہ "آج سے یہاں مذہب کا نام بلند نہ ہوگا۔" تو پھر تمہیں معلوم ہوا کہ تم نے اپنی ہی تلواروں سے اپنے گلے کاٹے تھے۔ تم نے ترکی میں ان لوگوں کو قوت دی جو اسلام سے بیزار تھے۔ اور جب انہوں نے وہ سب کچھ جو اسلام کا تھا اتار کر پھینک دیا اور وہ سب کچھ جو مغرب کی دہریت کا تھا اوڑھ لیا تو تمہیں ہوش آیا کہ تم نے اسلام ہی کا بور چہ اکھاڑ پھینکا تھا۔

آج تم پھر آزمائش میں پڑ گئے ہو۔ آج وقت تم سے تقاضا کرتا ہے کہ اپنے حجروں میں سے نکلو اور اپنے ملک کے معاشرے کو اسلام

Marfat.com

کے لئے تیار کرو۔ اگر یہاں بھی تم نے اپنی تاریخ کہنہ کو دہرایا اور اسلام کے خلاف کفر و الحاد کے ہاتھ میں اپنے فتووں کی تلواریں تھما دیں تو کیا تم بتا سکو گے کہ اسلام کے مورچے کو اس سرزمین سے بھی اکھاڑ کے بعد تم نے کس زمین کے سینے پر اور کس آسمان کے تلے اپنی پناہ گاہ تلاش کر رکھی ہے۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس ملک کے بعض ادیبوں، شاعروں، مقرروں صحافیوں اور اخباروں کے ایڈیٹروں سے بھی عرض کروں کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم نے مسندِ علم و دانش کا پُر وقار مقام چھوڑ کر دربار داروں کا کام کیوں سنبھال لیا ہے۔ کوئی دن نہیں جاتا کہ تم کسی اقتدار پسند کے اشارے پر شکار کئے جاتے ہو اور سوسائٹی میں سے چُن چُن کر ہر اس شخص کی پگڑی اچھالتے نظر آتے ہو جو تمہیں شریف اور حق گو نظر آتا ہے۔ علم کا کام انسان کو تذبذب اور شکوک کی دھندلاہٹ سے حق کی چمک اور وضاحت کی طرف لے جانا ہے لیکن یہ علم تمہیں کس کتاب کا حاصل ہوا ہے جو تمہیں ہر بھاری جیب کے پیچھے دوڑا دیتا ہے اور ہر اونچے تخت کے سامنے دست بستہ لا کھڑا کرتا ہے۔ تمہارا قلم اور تمہاری زبان تو خدا کی امانتیں ہیں جنہیں خدا ہی کی راہ میں اسی کا کلمہ بلند کرنے کے لئے چلنا چاہیئے۔ اس لئے کہ کائنات کی سب سے بڑی حقیقت یہی ہے کہ خدا ہی بس

کائنات کا مالک، خالق، آقا، حاکم اور مدبر ہے۔ بندوں کا تو کام ہی یہ ہے کہ وہ اپنے مالک کی رضا پر اپنی تمام قوتیں صرف کر دیں۔ اس نے اپنے دوسرے بندوں کی نسبت تمہیں گویائی اور قلم کی قوتیں زائد عطا فرمائی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ تم اسی نسبت سے ان قوتوں کو خدا کی راہ میں صرف کرتے جس نسبت سے اس نے تمہیں دوسروں کی نسبت یہ زیادہ دی ہیں۔ لیکن اخباروں کے کالم، کتابوں کے صفحے اور جلسوں کے پلیٹ فارم گواہ ہیں کہ تم نے اپنے قلم کا لفظ لفظ خدا کی مرضی کے خلاف اور اپنی زبان کا حرف حرف خدا کی منشا کے خلاف صرف کر ڈالا ہے جو خدا کا بندہ بھی اپنا فرض پہچانتے ہوئے اپنا حقِ عبودیت ادا کرنا چاہے، تم قلم کے لٹھ اور زبان کے بھالے لے کر پیچھے پڑ جاتے ہو اور جو اقتدار پسند اور نفس پرست تمہیں اپنی اغراض کا خادم بنانا چاہے تم فوراً اپنی خدمات اس کے سامنے پیش کر دیتے ہو۔

تم نے ان لوگوں کے بے شمار قصیدے لکھے جن کی ذات سے الفاظ کا پردۂ ناموس بھی چاک ہو تا تھا اور تم نے ان لوگوں کو مطعون و معتوب کیا جن کی عصمت و پاکیزگی اور خلوص و دیانت داری پر ان کے دشمنوں کا دل بھی چپکے چپکے گواہی دیتا رہا۔ افسوس کہ زمانے کے چوراہے پر تم نے اپنی پیشانیاں اپنے ہی ہاتھوں سے ذلت کی چوکھٹ پر رگڑ دیں۔ اور تمہارے ضمیر نے تمہیں ایک چٹکی کاٹ لی۔

تم نے اپنے ہاتھوں اپنی کلاہِ وقار نوچ کر کیاڑ خانے میں ڈال دی اور تمہاری حمیت نے ایک سسکی تک نہ لی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ اس ملک کے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور زمینداروں سے کہوں کہ اے زندگی کے پُر تمنا شیدائیو! اور اے عیشِ جہاں کے تمنائیو! تم نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ سونے کی جس رتھ پر تم نے اپنا سفرِ زندگی شروع کر رکھا ہے یہ تمہیں کسی منزل تک نہ پہنچائے گی۔ تم نے مغربی سرمایہ داری اور سامراجیت کے تخت پر بیٹھ کر برسوں تک مظلوم انسانوں کا خون چوسا ہے اور برسوں تک مظلوموں کے خون پسینے سے اپنے جام دنیا کو دو آتشہ کیا ہے۔

لیکن اب اچھی طرح سمجھ لو کہ جو طوفان اب ایّام کے دوش پر سوار دنیا کے چہار طرف پھیلنے کے لئے شمال کی طرف سے اٹھ رہا ہے۔ اس کی زد سے تمہیں نہ سونے کی کشتیاں بچا پائیں گی اور نہ رشوتوں کے چپو پار لگائیں گے۔ تم ہزار نوٹوں کی دیواریں اپنی محافظت کے لئے اور ہزار چیک بکوں کے انبار اپنی پناہ کے لئے لگا دو انقلاب کا ایک ریلہ ہی ان سب کو بہا لے جائے گا۔ زندگی کے افق سے دو انقلاب ابھر رہے ہیں اور انہیں تمہارے سروں پر سے بہر حال گزرنا ہے۔ اسلام کا انقلاب تم سے اتنا ہی لے گا جتنا تم نے اپنے ظلم اور لالچ و خود غرضی سے دوسرے انسانوں سے چھینا ہے۔ وہ تم سے حرام چھڑائے گا اور حلال پر قانع رہنے کے لئے مجبور کرے گا۔ وہ تمہیں زندہ رہنے اور جائز طور پر پھلنے پھولنے کا حق دے گا۔ وہ تم پر اس طرح ظلم نہیں کرے گا جس طرح تم دوسرے انسانوں

پر ظلم ڈھاتے رہے ہو. لیکن سرخ انقلاب جو تمہارے دروازے پر کھڑا دستک دے رہا ہے۔ اس کی زد میں آکر تم کسی پناہ میں نہ چھپ سکو گے کوئی بل تمہاری حفاظت نہ کرے گا اور کوئی گوشہ تمہیں امان نہ دے گا۔ تمہاری پھولی ہوئی ہر توند پھاڑی جائے گی اور تمہارا نگلا ہوا ہر نوالہ اگلوایا جائے گا۔ سڑکیں تمہاری پھٹی ہوئی توندوں سے معمور ہو جائیں گی۔ سرخ سپاہی تمہاری کھوپڑیوں سے فٹ بال کھیلیں گے درختوں پر اونگھنے والے گدھ تمہاری بے جان لاشوں کو تاکیں گے اور فضا میں منڈلانے والے کوے اور چیلیں تمہارے گوشت پر اپنی ضیافتیں اڑائیں گے۔ ان دونوں انقلابات کی گونج اس ملک میں سنائی دے رہی ہے۔ ایک انقلاب اس کی حدود کے اندر سانس لے رہا ہے اور دوسرا اس کی دور دراز کی سرحدوں سے ٹکرا رہا ہے۔ تمہیں بہرحال ایک کی نذر ہونا ہے۔ اب یہ تمہاری اپنی پسند ہے کہ تم کس کا ساتھ دو۔ اور کسے اپنی متاعِ زندگی حوالے کرو اب بہرحال تمہیں اپنے ارغوانی کنستر ٹھنڈے کرنے ہوں گے۔ اب بہرحال تمہیں سیر نگوں والے گدوں سے اٹھایا جائے گا۔ اب زیادہ عرصے تک تم پوری حیوانیت سے دادِ عیش دیتے ہوئے اپنے بنگلے کے پھاٹک پر ایک بھوکے انسان کو تڑپتا ہوا چھوڑ نہ سکو گے۔ اب تمہیں نرم و گداز بستروں سے اور بلند و بالا بنگلوں سے نکلنا ہی پڑے گا۔ اب تم زندگی کی ساری عیش سیٹ

Marfat.com

کر اپنی تجوری میں بند نہ کر سکو گے۔ اب تمہیں وہ بند کھولنے ہوں گے جو تم نے دولت کی روانی میں لگا رکھے ہیں۔ اب اپنی ہستی کو برقرار رکھنے کے لئے تمہیں کسی ایک انقلاب کا ساتھ دینا ہو گا۔ مغربی سرمایہ پرستی کا بُت دنیا کے چوراہے پر ٹوٹ کر پاش پاش ہوا جارہا ہے اور اگر تم نے اپنی پیشانیاں اسی شکستہ بت کے سجدوں کے لئے وقف کر رکھیں تو یاد رکھو اسی بُت کے ٹکڑے تمہیں کچل کر رکھ دیں گے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہیں آگاہ کروں کہ اگر تمہیں حق و انصاف اور رزقِ حلال سے گریز نہیں ہے تو اس انقلاب کو لانے کے لئے آگے بڑھو۔ جو تمہیں بنیادی انسانی حقوق پورے کے پورے دے گا۔ اور تمہارا حق تم سے نہ چھینے گا۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس ملک کے محنت کش کسانوں، مزدوروں اور عوام سے بھی کہوں کہ اے بازارِ زندگی کے تہی دست بیوپاریو اے میرے مظلوم بھائیو۔ یہ کون ہے جس نے تمہارے جسموں کا لباس تک چھین لیا ہے اور تمہارے شکموں کو رزقِ حلال سے خالی کر دیا ہے یہ کون ہے جس نے انسانیت کا تمام وقار اور نفس کی تمام عزت تم سے چھینا لی ہے۔ جس نے تم سے سہارے کی آخری لاٹھی اور سائے کی آخری دیوار بھی چھین لی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں روزی کمانے کے غیر مساوی مواقع کی تقسیم نے کچل دیا ہے۔ اور

تمہیں اس جونک سے شکایت ہے۔ جس نے مدتوں تک تمہارے جسموں سے جاگیردار، کارخانہ دار، اور سرمایہ دار بن کر زندگی کا خون چوسا ہے۔ لیکن تمہارا غصہ بے جا ہوگا۔ اگر تم پرزوں پر دانت پیستے رہو اور پوری مشین کو اجازت دو کہ وہ نصب رہے اور تمہاری پسلیوں کو اپنی پیہم ضربوں سے کڑکڑاتی رہے۔ یہ لوگ تو اس سرمایہ داری نظام کے کل پرزے ہیں جو ایک مدت سے اس سرزمین پر مسلط ہے۔ مدت سے تمہارا خون تیل بن بن کر اس نظام کی مشینری کو چلا رہا ہے۔ تمہارا اصل دشمن تو یہ نظام ہے۔ جس کے کارندوں نے تمہاری شمع حیات کا روغن چوس لیا ہے۔ یہ فرنگی الحاد ہے جو انسان کو شرف انسانیت سے محروم کئے دیتا ہے اور طاقتور کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنے عیش کے لئے جس شمع کو چاہے گل کر دے اور جس سانس کو چاہے روک دے۔ تمہارے ہاتھ میں اگر کوئی قوت ہے تو اس نظام پر ضرب لگاؤ۔ اور اس نعرے کے ساتھ لگاؤ کہ ملک خدا کا ہے اور اس میں سے روزی حاصل کرنے، کمانے اور زندہ رہنے کا حق خدا نے ہر انسان کو دیا ہے جو خدا کی زمین پر اپنی ٹھیکیداری قائم کرتا اور دوسروں کو محروم کرتا ہے وہ درندہ ہے۔ اور اس موذی درندے کو بے ضرر کرنے کے لئے اخلاقی قوانین کے پنجرے میں بند کرنا ضروری ہے۔

Marfat.com

میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہیں یہ بھی بتاؤں کہ تمہاری بیداری اور بنیادی حقوق کی طلب نے سرمایہ دار کو اور بھی بہت سے ہتھکنڈے سکھا دیئے ہیں اور جب تک تم اس کارزارِ ہستی میں ایک مجاہدانہ بصیرت لے کر داخل نہیں ہوگے ڈر ہے کہ وہ تمہیں اپنے سرمائے کے مختلف پھندوں میں سے کسی ایک میں ضرور پھانس لے گا اور اب اس نے ایک نیا پھندا ایجاد بھی کر لیا ہے۔ جسے وہ اشتراکیت کہتا ہے۔ اب وہ تمہارے سامنے روٹی اور مشترک ملکیت کے نعرے پھینکتا ہے تاکہ تم اپنے آپ پر مغرب کی ملحد جمہوریت کا ایک خبیث ترین حربہ مسلط کر لو جو سرتا پا آمریت ہے۔ اور جب تمہاری ہمدردی کے نعرے پر تمہاری ہی مدد سے وہ اپنا اشتراکی نظام قائم کر لیتا ہے تو پھر تم پر دو وقت کی روٹی کا دروازہ کھول کر باقی سب دروازے بند کر دیتا ہے۔ وہ تمہیں دو وقت کا چارہ دے کر پالتو مویشی کی طرح تمہارے گلے میں رسہ ڈال کر اپنے کھونٹے سے باندھ لیتا ہے۔ دو وقت کی روٹی کے عوض تمہیں عمر بھر کے لئے ایک حیوان کی طرح استعمال کرتا ہے۔ نہ زمین تمہاری ہوتی ہے نہ مکان تمہارا ہوتا ہے۔ نہ جائداد تمہاری ہوتی ہے نہ محنت کا پھل تمہارا ہوتا ہے حتیٰ کہ تمہاری بیوی تمہاری نہیں ہوتی۔ تمہارے بچے تمہارے نہیں ہوتے بلکہ یہ سب کچھ اس بڑے عظیم سرمایہ دار کا ہوتا ہے جو دس گھنٹے کام لینے کے بعد تمہیں دو وقت کی روٹی دیتا ہے۔ تم

اس سرمایہ دار کے خلاف ہڑتال کر کے کسی دوسرے کارخانے میں نہیں جا سکتے۔ تم اس زمیندار کو چھوڑ کر کسی دوسرے زمیندار سے زمین نہیں لے سکتے۔ اس لئے کہ وہ کھیت اور وہ کارخانہ سب کچھ اس ایک ہی بڑے سرمایہ دار کا ہوتا ہے۔ تم اس عظیم سرمایہ دار کو چھوڑو گے تو وہ تمہیں بھوکا مار دے گا۔ تم اس کے خلاف مظاہرہ نہ کر سکو گے۔ اس کے خلاف جلوس نہ نکال سکو گے۔ اس لئے کہ وہ سڑک بھی اس سرمایہ دار کی ہوگی۔ تم اس سے باغی ہو کر دوکان سے راشن تک نہ لے سکو گے۔ اس لئے کہ راشن کی دوکان بھی اسی سرمایہ دار کی ہوگی اور وہ اتنا بڑا سرمایہ دار ہوگا کہ حکومت بھی اسی کی ہوگی۔ پھر وہ حکومت تمہیں حیوانوں کی طرح زندہ رکھے گی۔ اور حیوانوں کی طرح ہی مار دے گی۔ پھر سوچو کہ تم کیا کرو گے۔ کدھر جاؤ گے جہاں تم فریاد بھی نہ کر سکو گے۔ اس لئے میں تم سے پوری دل سوزی سے کہتا ہوں کہ میرے عزیز بھائیو انسانیت کے اس مقتلِ عظیم سے پناہ مانگو کہ چالاک سرمایہ دار نے سخت ترین پھندہ اگر تمہیں پھنسانے کے لئے تاریخ کے دور میں کبھی لگایا ہے تو وہ سُرخ انقلاب کا پھندہ ہے۔

میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہاری رگ رگ میں یہ یقین اتار دوں کہ تمہاری فلاح اور پناہ تمہارے دکھوں کا علاج اور تمہارے زخموں کا مرہم۔ تمہاری بھوک پیاس، روٹی کپڑے اور ساری حاجات کا

کفیل ایک اسلامی نظام ہی ہو سکتا ہے۔ وہی نظام جو تمہارا دین اور تمہارا ایمان بھی ہے۔ تمہارا اپنا عقیدہ اور ایمان ہے۔ تم نے آج تک اس کی چھاؤں میں زندگی کا کوئی سانس نہیں لیا۔ یہی تمہاری، میری اور دنیا کے ہر انسان کی بدقسمتی ہے۔ اب جس طرح تم نے اپنے ملک کے حصول کے لئے تاریخ کو اپنے ہاتھ سے موڑ دیا تھا اسی طرح اب اٹھنا ہوگا تمہارے اٹھے بغیر یہاں کوئی فتنہ بھی نہ بیٹھے گا۔

میرا دل چاہتا ہے کہ اس ملک کی ہواؤں سے کہوں کہ کفر و ضلالت اور فسق و فجور کی گندگی کو، مغرب پرستی اور دہریت کی نجاست کو اپنے دوش پر لاد کر کہیں دور لے جاؤ۔ بہت دور بحرِ اوقیانوس کے گہرے پانیوں میں، یا گمنام جزیروں میں لے جاکر ڈال دو اور مدینۃ الرسولؐ کی گم گشتہ بادِ بہاری کو کہیں سے ڈھونڈ کر اپنے کندھوں پر لاد لاؤ اور اس ملک کے گوشے گوشے کو اس پاکیزگی سے معمور اور معطر کر دو۔

تحریکِ اسلامی

گزشتہ ربع صدی سے مسلمانوں کے معاشرے میں اصلاح و تبلیغ کا ہمہ پہلو کام کر رہی ہے۔

- اسکا ایک متعین نصب العین "اقامتِ دین" ہے۔
- اس نے ملی مسائل کے بارے میں ہر موضوع پر اپنی پالیسی اور نکتۂ نظر کا اظہار کیا ہے۔
- اس کے دینی، معاشرتی، تعلیمی، سیاسی اور روحانی نظریات ہیں۔
- اس کا ایک وسیع لٹریچر ہے جو متعدد کتابوں پر مشتمل ہے

تحریک اسلامی کو سمجھنا ایک ملی فریضہ اور آپ کی دینی ضرورت ہے اور اس سارے علمی عملی اور نظری کام کو سمجھنے کے لئے وسیع مطالعہ اور طویل وقت کی ضرورت ہے۔ اس کام کو آسان کرنے کے لئے جناب اسعد گیلانی نے

"تحریکِ اسلامی، ایک نظر میں"

کے عنوان سے ایک مختصر گائیڈ بک مرتب کی ہے جو تحریکِ اسلامی کے اپنے لٹریچر کے بہترین ذمہ دارانہ انتخاب پر مشتمل ہے۔

سو سے زائد صفحات ● کتابت طباعت معیاری

ادارہ ادبِ اسلامی

سیٹلائیٹ ٹاؤن سرگودھا

Marfat.com

175

اسعد گیلانی

پکار

ادارۂ ادبِ اسلامی ○ سرگودھا

Marfat.com